سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتوں کی سیاسی علمی اور تمدنی تاریخ ہو اس لئے دارالمصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے جس کے بعض حصے چھپ چکے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہوں گے شائع ہوتے رہیں گے،

تاریخ اسلام حصۂ اول (عہد رسالت و خلافت راشدہ) اس میں آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)

ضخامت: ۳۸۰ صفحے، قیمت: سے ؎

تاریخ اسلام حصۂ دوم (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

ضخامت ۴۳۷ صفحے، قیمت: سے

تاریخ اسلام حصۂ سوم (تاریخ بنی عباس جلد اول) اس میں خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحق متقی للہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) اس میں خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت ۳۳۴ صفحے، قیمت: صہ

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اول، اس میں عثمان اول سے مصطفےٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے

قیمت: عے

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء

ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: صہ

مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ،

تاریخ صقلیہ جلد اول، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،

۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرقع ہے، جس میں عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہاء ادباء و شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دارالمصنفین اعظم گڈھ

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

۶۰ ویں جلد

از جولائی ۱۹۴۷ء تا دسمبر ۱۹۴۷ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۶۰

جولائی ۱۹۴۷ء تا دسمبر ۱۹۴۷ء

(بہ ترتیب حروفِ تہجی)

شمار	اسماے گرامی	صفحہ	شمار	اسماے گرامی	صفحہ
۱	جناب خواجہ احمد فاروقی ایم اے لکچرر اینگلو عربک کالج، دہلی	۱۹۷	۶	نواب صدر یار جنگ بہادر مولینا حبیب الرحمان خان صاحب حسرت شیروانی	۷۷
۲	جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی،	۱۷۸	۷	مولوی حکیم حیدر زمان صاحب صدیقی پٹھان کوٹ	۴۹، ۵۶ ۱۸۷
۳	مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی ریسرچ اسکالر، گجرات	۹۳ - ۱۱۷ ۲۸۴	۸	سید ریاست علی ندوی	۲، ۸۰، ۸۲ ۱۵۹، ۱۹۳ ۲۰۵-۲۰۷ ۲۱۰-۲۳۵ ۲۴۳، ۲۹۶ ۲۹۹، ۳۱۰ ۳۱۹-۳۲۲ ۳۸۳-۳۹۵ ۳۹۴، ۴۵۶ ۴۶۲-۴۶۳
۴	مولانا ابو الجلال صاحب ندوی رفیق دار المصنفین،	۱۳۷			
۵	جناب ملک ابو یحیی امام خان صاحب نوشہروی	۲۵۰ ۳۷۵ ۴۳۹	۹	سید سلیمان ندوی	۲۳۵ ۳۰۱ ۳۵۳

فہرست مضامین

جلد ۶۰

جولائی ۱۹۴۷ء تا دسمبر ۱۹۴۷ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۶۰ ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۷ء عدد ۱

مضامین

شعر العجم حصۂ دوم

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ ابن یمین تک) مع تنقید کلام،

ضخم :- صفحے، قیمت :-

"منیجر"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

پہلی بڑی لڑائی کے بعد روس سے اشتراکی تحریک کے ساتھ الحاد کا طوفان اٹھا تھا، خدا اور اس کے وجود کا علانیہ انکار کیا گیا، نعوذ باللہ اس کے فرضی تابوت کو نذر آتش کیا گیا اور مذہبی کتابوں کی مقدس آیتوں کو بگاڑ کر ماسکو کی سڑکوں پر لگایا گیا تھا، اور بقول مسٹر رام ادرسانی، باکو کی ایک مسجد میں ایک ضعیف مسلمان ملا نے بڑی حسرت سے اُن سے کہا کہ "اب چند برسوں میں اس مسجد میں آنے والا کوئی باقی نہ رہ جائیگا اور یہ عبادتگاہ ہمیشہ کے لئے مقفل کر دی جائے گی"،

لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ دوسری بڑی لڑائی کے بعد روس میں ہوا کا رُخ بدل جائے گا، اس ملک میں نہ صرف مذہب کے خلاف گستاخانہ و ملحدانہ سرگرمیاں ختم ہو جائیں گی، بلکہ وہ "مسلمان اشتراکیوں" کو اپنی مذہبی تنظیم کرنے مذہبی اداروں کو چلانے اور مذہبی مجالس کے منعقد کرنے کی اجازت دیں گے اور یہاں کے مسلمان اپنے تعلیمی و معاشرتی مسائل پر مذہبی نقطۂ نظر سے غور و فکر کر سکیں گے، ہم نے سوویٹ یونین نیوز ایجنسی کی نشر کی ہوئی ان اطلاعوں کو بڑی دلچسپی اور سنجیدگی سے پڑھا، جن میں مرکزی ایشیا کے مسلمانوں کی مذہبی سرگرمیوں کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، چنانچہ وہی تاشقند جس کے مشہور شہر سمرقند کی جامع مسجد کا منارہ منہدم کر کے لینن کا مجسمہ نصب کیا گیا تھا، اور اس کے نیچے مرقوم تھا کہ "اب یہاں سے خدا کی اذان کبھی نہ پکاری جائے گی"، ابھی تاشقند میں مرکزی ایشیا کے "مسلم بورڈ" کا نمائندہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں مختلف مذہبی و معاشرتی مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے غور و فکر کیا گیا، اور ایسے فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کی گئی کہ وہ "احکام شریعت" کے مطابق ہوں کیا موجودہ روس کے مسلمانوں کی زندگی کے لئے یہ حیرت انگیز انقلاب نہیں ہے،

"تاشقند کے اس اسلامی اجتماع میں مسلم بورڈ" کی کارگذاریوں کی روداد بھی پیش کی گئی، اس میں ایشیائی روس کے مختلف مذہبی مرکزوں کا جائزہ لیا گیا ہے، اس سلسلہ میں خانقاہ حضرت بہاء الدین نقشبندی بخارا، خانقاہ حضرت شاہ زندہ سمرقند، اور خانقاہ حکیم ترمذی، ترمذ کے توسط سے مذہبی تعلیم و تربیت کے جو خدمات جاری ہیں، ان کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے، یہ مسلم بورڈ ایشیائی روس کے مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا نگراں ہے مساجد کے ائمہ و مؤذن کا تقرر اُن کے کاموں کی نگرانی وقتاً فوقتاً مختلف مسائل و مباحث میں دینی نقطہ نظر سے روس کے مسلمانوں کی رہبری کرنا، اور اسلامی احکام و واجبات کی نشر و اشاعت کی خدمت انجام دینا اس کے فرائض میں داخل ہے، نیز ایشیائی روس میں مذہبی درسگاہوں کی تنظیم اور ان کا نصاب تعلیم مقرر کرنے کا کام بھی جاری ہے، اس علاقہ کا تعلیمی مرکز امام بخاری علیہ الرحمہ کا موطن بخارا قرار پایا ہے، یہاں "مدرسہ میر عرب" کے نام سے ایک درسگاہ قائم ہے، اس مدرسہ کا نصاب پانچ سال کا مقرر کیا گیا ہے مضامین درس میں قرأت تفسیر، حدیث، عربی صرف و نحو، فارسی قواعد، سوویٹ یونین کی قوموں کی تاریخ، سوویٹ یونین، کا دستور حکومت اور دوسرے مضامین داخل ہیں،

اگر یہ اطلاعیں مبالغہ سے خالی ہیں، تو ہم روس میں ان تبدیلیوں کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں، وسط ایشیا کے ان مقامات میں اسلامی تہذیب و ثقافت و روایات کے کبھی نہ مٹنے والے آثار قائم ہیں، اگر وہاں کے مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں حکومت وقت کی طرف سے واقعی کوئی معاندانہ رخنہ اندازی نہیں ہوئی، تو وہاں حکومت کے ہمدردانہ رویہ کے بغیر بھی اسلامی زندگی کی روح نئے سرے سے پیدا ہو سکتی ہے، اور وہ ملک جہاں سے دین و مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی تحریک اٹھی تھی، آج بھی اسلامی ثقافت و روایات کا اہم مرکز بن سکتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں کے مسلمانوں کی فلاح و ترقی اور ان میں حقیقی مذہبی زندگی پیدا ہونے کے لئے حالات کو سازگار بنائے، اور اُن کی مشکلات پر انھیں قابو عطا فرمائے،

پچھلے مہینہ مین والاحضرت سردار محمد ہاشم خان سابق صدر اعظم افغانستان کی طرف سے قرآن مجید کے ایک پاکیزہ نسخہ کا تحفہ ہمین موصول ہوا ہے، یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب علیہ الرحمہ کے اردو ترجمہ وحواشی کا فارسی ترجمہ ہے، جس کی پہلی جلد خوشخط ٹائپ اور بہتر کاغذ پر اہتمام سے چھاپی گئی ہے، والاحضرت موصوف نے اس کو فارسی اور پشتو دونون زبانون مین ترجمہ کرایا ہے اور عام نفع کے لئے شائع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ والاحضرت کو ان کے حسن عمل کا اجر عطا فرمائے اور اس مقدس نسخہ کے ذریعہ افغانستان کے مسلمانوں کو خیر و برکات سے مستفید فرمائے،

ملک مین سیاسی انقلاب کی جو عام لہر دوڑ رہی ہوئی ہے، اوس سے یہان کے تعلیمی ادارے بھی متاثر ہوئے ہین، اس سلسلہ مین یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ بمبئی یونیورسٹی نے ہماری درسگاہ ندوۃ العلما کے ایک فارغ التحصیل مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی کو کسی مغربی درسگاہ کی سند کے بغیر محکمہ پوسٹ گریجویٹ مین ام اے پڑھانے کے لئے پروفیسر کی حیثیت سے باقاعدہ اجازت نامہ دیدیا ہے، اور موصوف کے خدمات گجرات یونیورسٹی کے قیام کے بعد (جس کی تاسیسی کارروائیان ان دنون جاری ہین،) اس یونیورسٹی مین منتقل ہوجائین گے، مغربی تعلیمی ادارہ مین مشرقی درسگاہون کے افاضل کی خدمات کی قدردانی کی یہ خوشگوار مثال ہے، امید ہو کہ اس طرح مغربی و مشرقی تعلیمی ادارون مین جو دوری ہے وہ رفتہ رفتہ دور ہوگی، اور ارباب فضل کے خدمات سے خواہ وہ مغربی درس گاہ کے فارغ التحصیل ہون یا کسی مشرقی درسگاہ کے محض ان کی علمی صلاحیتون کے اعتبار سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی امیر شریعت بہار کے سانحۂ وفات کا ذکر پچھلے مہینہ مین آچکا ہے اس صوبہ مین امارت شرعیہ کا نظام خواہ جس حال مین ہو قائم ہے، خوشی ہوئی کہ مولانا مرحوم کی وفات سے جو جگہ خالی ہوئی تھی، اس کے لئے مولانا شاہ قمر الدین صاحب پھلواروی کا انتخاب عمل مین آیا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صوبہ کے مسلمانون کو مولانا موصوف کے فیوض و برکات سے مستفید فرمائے،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

(۴)

(۹) **عقل وعشق** اثبات خودی کا یہ نوان مقدمہ ہے، اگرچہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک عقل وعشق دونون خودی کا جزو ترکیبی ہین،

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل　　　اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل

جہانِ نو جو ڈاکٹر صاحب کی خودی کی سب سے آخری منزل ہے، وہ بھی عقل وعشق ہی کی آمیزش سے پیدا ہوتا ہے،

غربیان را زیرکی سازِ حیات　　　شرقیان را عشق رازِ کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس　　　کارِ عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چون با زیرکی ہمبر بود　　　نقشبند عالم دیگر شود
خیز و نقش عالم دیگر بنہ　　　عشق را با زیرکی آمیز دہ

پیام مشرق مین انھون نے "محاورۂ علم وعشق" کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے، جس مین علم وعشق

کا مناظرہ کروایا ہے، اور ہر ایک نے اپنے اپنے فضائل بیان کئے ہیں، علم کہتا ہے،

نگہم راز دارِ ہفت و چار است   گرفتار کمندم روزگار است

جہان بینم باین سو باز کردند   مرا با آنسوے گردون چہ کار است

چکد صد نغمہ از سازے کہ دارم   بباز ار افگنم رازے کہ دارم

اب عشق اس پر رد و قدح کرتا ہے،

ز افسونِ تو دریا شعلہ زار است   ہوا آتش گداز و زہر مار است

چو با من یار بودی نور بودی   بریدی از من و نورِ تو نار است

بخلوت خانۂ لاہوت زادی   و لیکن در نخِ شیطان فتادی

اس رد و قدح کے بعد اوس کو پیغام صلح اور دعوتِ اتحاد دیتا ہے،

بیا این خاکدان را گلستان ساز   جہانِ پیر را دیگر جوان ساز

بیا یک ذرہ از دردِ دلم گیر   تہ گردون بہشتِ جاودان ساز

ز روز آفرینش ہمدم استیم   ہمان یک نغمہ را زیر و بم استیم

ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے، کہ وہ عقل کے کلیۃً مخالف نہیں ہیں، البتہ جب عقل، عشق سے بالکل علحدگی اختیار کر لیتی ہے، تو وہ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں، اور عشق کو ہر جگہ ترجیح دیتے ہیں، لیکن اس ترجیح کے وجوہ سے پہلے عشق کی حقیقت اور ماہیت پر غور کر لینا چاہیے،

عشق اگرچہ عربی زبان کا لفظ ہے لیکن قرآن، حدیث اور شعراے جاہلیت کے کلام میں یہ لفظ نہیں آیا ہے، متاخرین شعراے عرب نے بھی اس لفظ کا بہت کم استعمال کیا ہے، اور عشق کی وہ اہم خصوصیات جو فارسی شاعری میں نظر آتی ہیں، اُن کا تو عربی شعرا کے کلام میں وجود ہی نہیں ہے، اس لئے ہم کو تاریخی حیثیت سے یہ پتہ لگانا چاہیئے، کہ فارسی شاعری نے عشق کو اس قدر اہمیت کیون دی ہے؟

ہمارا خیال ہے کہ سب سے پہلے عشق اور عشق کی تمام خصوصیات کو فلسفۂ اشراق نے نمایان کیا اور ان کو نہایت اہمیت دی، اشراقیون کے نزدیک نظامِ عالم قہر و مہر کی بنیاد پر قائم ہے، شیخ الاشراق حکمۃ الاشراق میں لکھتے ہیں کہ ہر بلند نور کو نیچے کے نور پر غلبہ و اقتدار حاصل ہے، اور نیچے کا نور بلند نور سے محبت رکھتا ہے، اور اسی قہر و مہر سے نظامِ عالم کا وجود وابستہ ہے، اور جب بہت سے انوار جمع ہو جاتے ہیں، تو بلند نور نیچے کے نور پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے، [1] اور نیچے کے نور کو بلند نور کا شوق اور عشق ہو جاتا ہے، اس لئے نور الانوار (یعنی خدا) کو اپنے ماسوا تمام موجودات پر غلبہ حاصل ہے، اور وہ اپنی ذات کے سوا کسی اور کا عشق نہیں کرتا، کیونکہ کوئی چیز دوسرے پر اس لئے عاشق ہوتی ہے کہ وہ اس سے زیادہ مکمل ہوتی ہے، بلکہ اس کی نسبت سے اس میں کوئی کمال ہی نہیں ہوتا، البتہ وہ اپنے اوپر عاشق ہوتا ہے، کیونکہ وہ ہر چیز سے زیادہ خوبصورت اور مکمل ہے، اور اس کو خود اپنا کمال نظر آتا ہے، اس لئے وہ عاشق بھی ہے، اور معشوق بھی ہے، اور چونکہ خدا سے زیادہ کوئی چیز حسین و مکمل نہیں، اس لئے اور کسی چیز کو بھی دوسری چیز کے عشق میں وہ لطف نہیں حاصل ہوتا، جو عشقِ الٰہی میں ہوتا ہے، اس لئے نظامِ عالم کا وجود قہر و مہر سے قائم ہے، اور انوار مجردہ کی جس قدر کثرت ہوتی ہے، اور جس قدر ان میں علت و معلول کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر نظامِ عالم مکمل ہوتا ہے، اور کل عالم مل کر ایک عالم بن جاتے ہیں،

مختلف حکما نے عشق و محبت پر جو بحثین کی ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ ایک فلسفیانہ چیز ہے، سب سے زیادہ مفصل اور عام فہم مضمون اس پر ارباب رسائل اخوان الصفا نے لکھا ہے، جو زیادہ تر فلسفۂ اشراق کی طرف مائل ہیں، انھون نے عشق کی ماہیت پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اور اس میں عشق و محبت کے متعلق تمام نظریات جمع کر دیئے ہیں، جن میں ایک نظریہ یہ ہے، کہ

" عشق نام ہے معشوق کے ساتھ متحد ہونے کے سخت شوق کا، اس لئے عاشق کو ایک حالت پر قناعت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس سے ترقی کرنا چاہتا ہے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے کہ میں معشوق کو

---

[1] ملخص از شرح حکمۃ الاشراق ص ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۰، ۳۲۱،

گلے لگاتا ہون، تب بھی دل اس کا مشتاق رہتا ہے، کیا گلے لگانے سے بھی زیادہ معشوق کی قربت کا کوئی درجہ ہے، مین اس کے منہ کا بوسہ لیتا ہون تاکہ میرا عشق زائل ہوجائے، لیکن اس سے تو میرا شوق اور زیادہ بڑھ جاتا ہے، غالباً میرے دل کی پیاس بجز اس کے نہین بجھ سکتی، کہ عاشق و معشوق کی دونون روحین باہم مل جائین،

اس نظریہ کو نقل کرکے ارباب رسائل اخوان الصفا لکھتے ہین، کہ

"عشق کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، ان مین سب سے زیادہ راجح اور سب سے زیادہ لطیف یہی نظریہ ہے"

اس کے بعد انھون نے اس کی تفصیلی شرح کی ہے، اور لکھا ہے کہ جو حکما اس نظریہ کے قائل ہین ان کا مطلب یہ ہے کہ اتحاد صرف روحانی امور کا خاصہ ہے، کیونکہ جسمانی چیزون مین اتحاد نہین ہوسکتا، بلکہ وہ صرف ایک دوسرے کے قریب ہوجاتی ہین، باہم مل جاتی ہین، اور ایک جسم دوسرے جسم کو چھوجاتا ہے، اتحاد صرف روحانی چیزون مین ہوتا ہے،

اشراقی فلسفیون کا یہی عشق ہے، جس کو ہمارے صوفیون نے لیا ہے، اور وہ تصوف کی راہ سے صوفیانہ شاعری مین آیا ہے، فارسی شاعری اگرچہ مختلف حیثیتون سے عربی شاعری سے متاثر ہے، لیکن وہ عشق و محبت کے مضمون مین عربی شاعری سے بالکل متاثر نہین، کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، شعراے جاہلیت کے کلام مین عشق کا لفظ کہین نہین آیا ہے، اور اگر کہین آیا بھی ہو تو عشق کے وہ اسرار و رموز جن کی نسبت ارباب رسائل اخوان الصفا لکھتے ہین، کہ "وہ بیکار اوباشون کا مشغلہ نہین ہے، جیسا کہ وہ لوگ خیال کرتے ہین جن کو امور خفیہ اور اسرار لطیفہ کی واقفیت نہین ہے، بلکہ صرف ان امور سے واقف ہین جو حواس و شعور کے سامنے علانیہ نمایان ہوتے ہین" عربی شاعری مین بالکل نہین پائے جاتے، بلکہ وہ صرف فارسی شاعری کے ساتھ مخصوص ہین، قرآن و حدیث مین بھی عشق کا لفظ نہین آیا ہے، اس لئے یہ لفظ فلسفۂ اشراق کے ذریعہ سے تصوف مین آیا، اور اس عشق کے ذریعہ سے جو صوفیانہ نظریات قائم ہوے، فارسی شاعری نے نہایت لطیف انداز مین اُن کی تشریح کی،

۱۔ ان مین پہلا نظریہ یہ ہو کہ کائنات کی بنیاد عشق و محبت پر قائم ہے، کیونکہ دنیا مین علت و معلول

کا سلسلہ قائم ہے، اور ہر معلول اپنی علت سے عشق و محبت رکھتا ہے، اور علت کو اس پر غلبہ واقتدار حاصل ہوتا ہے، لیکن چونکہ ایک ہی چیز دو حیثیتون سے علت و معلول دونون ہوتی ہے، اس لئے ہر چیز مین قہر و مہر دونون پائے جاتے ہین، البتہ بعض مین قہر اور بعض مین مہر زیادہ ہوتا ہے،

عشق و محبت کے اسی عالمگیر نظریہ کو مولانا روم نے اس طرح بیان کیا ہے،

جملہ اجزاے جہان زان حکم پیش   جفت جفت و عاشقان جفت خویش
ہست ہر جزوے بعالم جفت خواہ   راست ہمچو کہربا و برگ کاہ
آسمان گوید زمین را مرحبا   با توام چون آہن و آہن ربا
میل ہر جزوے بہ جزوے می نہد   ز اتحاد ہر دو تولیدے جہد
ہر یکے خواہان دگر را ہمچو خویش   از پئے تکمیل فعل کار خویش
دور گردون را ز موج عشق دان   گر نبودے عشق بفسردے جہان
کے جمادے محو گشتے در نبات   کے فداے روح گشتے نامیات
ہر یکے بر جا فسردے ہمچو یخ   کے بُدے پران و جویان چون ملخ

وحشی یزدی اسی عشق کی تعبیر میل سے کرتا ہے:-

یکے میل است با ہر ذرہ رقاص   کشان ہر ذرہ را تا مقصد خاص
اگر پوئی ز اسفل تا بہ عالی   نہ بینی ذرۂ زین میل خالی
ز آتش تا بہ باد و از آب تا خاک   ز زیر ماہ تا بالاے افلاک
ہمین میل است اگر دانی ہمی میل   جنیبت در جنیبت خیل در خیل
سر این رشتہہاے پیچ در پیچ   ہمین میل است باقی ہیچ در ہیچ
ہمین میل است کآہن را در آویخت   کہ خود را بر دو بر آہن ربا دوخت

ہمین میل آمد و ناگاہ پیوست	کہ محکم کاہ را بر کہربا بست
بہر طبعے نہادہ آرزوے	یگ و پو دادہ ہر یک را بسوئے
غرض کین میل چو گردد قوی پے	شود عشق و در آید در رگ و پے

شعراے ایران نے عشق کے اسی عالمگیر نقطۂ نظر سے کائنات کو دیکھا تو جن چیزون مین عشق و محبت کی کشش زیادہ نظر آئی، ان کو باہم عاشق و معشوق بنا دیا، ذرہ و آفتاب، کاہ و کہربا، کبک و آتش، سرو قمری، گل و بلبل، پروانہ و شمع، نیلوفر و آفتاب، ماہ و کتان، یہ سب باہم عاشق و معشوق ہین، دوسرے ممالک کی شاعری مین ایک آدھ چیز کو عاشق مانتے ہین لیکن فارسی شاعری نے تمام کائنات کو عاشق و معشوق بنا دیا، مولانا شبلی نے شعر العجم مین لکھا ہے، کہ یہ اوس عالمگیر حسن کا اثر تھا، جو ایران مین جمع ہو گیا تھا، لیکن ہمارے نزدیک یہ فلسفۂ اشراق کا اثر ہے، جس نے عشق کا عالمگیر کائناتی نظریہ قائم کیا،

۲- علت معشوق اور معلول عاشق ہوتا ہے، اور علت مین قہر اور معلول مین مہر کا جذبہ پایا جاتا ہے، زمین اور زمین کی پیداوار پر سب سے زیادہ اثر آسمان کا پڑتا ہے، اس لئے آسمان اس کی علت اور زمین معلول ہے، اور اسی نسبت سے آسمان مین قہر اور زمین مین مہر کا جذبہ زیادہ موجود ہے، ایرانی شعراء آسمان کی جفا کاری اور بے مہری کی جو شکایت کرتے ہین، وہ اسی اشراقی فلسفہ کا اثر ہے، جو علت کو علت قاہرہ قرار دیتا ہے،

۳- علت مین قدرت، غلبہ، اقتدار اور عزو شرف پایا جاتا ہے، اور اسی نسبت سے معلول مین عجز، اطاعت اور ذلت و مسکنت پائی جاتی ہے، اور چونکہ علت معشوق اور معلول عاشق ہوتا ہے، اس لئے معشوق زیادہ معزز، صاحب اقتدار، اور بلند رتبہ ہوتا ہے، اس کے برعکس عاشق مین عجز، فروتنی اور پستی پائی جاتی ہے، اس لئے ایرانی شاعری سے زیادہ کسی شاعری نے عاشق کو ذلیل نہین کیا، خواجہ حافظ فرماتے ہین:-

شنیدہ ام کہ سگان را قلادہ می بندی
چرا بگردن حافظ نمی نہی رسنے

اور یہ اسی فلسفۂ اشراق کے نظریۂ عشق کا اثر ہے، ورنہ عرب مین عاشق اس قدر ذلیل و خوار نہین ہوتا،

(۴) عشق اتحاد چاہتا ہے، عاشق جب تک معشوق سے متحد نہ ہو جائے، اوس کو اور کسی چیز سے تسکین نہین ہوتی، عشق کے اس نظریہ نے وحدۃ الوجود کا مسئلہ پیدا کیا، اور صوفیون نے خدا کی ذات کے ساتھ اتحاد پیدا کرنا چاہا، لیکن جسم کا اتحاد جسم سے نہین ہوتا، بلکہ روح کا اتحاد روح سے ہوتا ہے، اور خدا چونکہ محض روح ہے اس لئے اس سے اتحاد پیدا کرنے کے لئے جسم کو فنا کرنا چاہئے، صوفیون کے ریاضت و مجاہدہ اور عاشقی شاعری مین جسمانی ضعف کے مضامین کی بنیاد اسی نظریہ پر ہے،

(۵) خدا خود اپنی ذات پر عاشق ہے، اس لئے وہ عاشق بھی ہے، اور معشوق بھی، اوس سے زیادہ کوئی چیز حسین و جمیل نہین، اس لئے وہ کسی دوسری چیز پر عاشق نہین ہو سکتا، البتہ اس مین اپنے حسن کی جلوہ گری کا تماشا دیکھ سکتا ہے، اور اسی غرض سے اس نے دنیا کو پیدا کیا ہے، مرزا غالب اسی تخیل کو اس طرح بیان کرتے ہین،

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہین
ہم کہان ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بین

(۶) حسن و جمال اور تمام محاسن و فضائل کا منبع خدا کی ذات ہے، اسی کے فیض کا پرتو درجہ بدرجہ تمام کائنات پر پڑتا ہے، اور دنیا اوس سے روشن ہو جاتی ہے، اس لئے تمام اشیاء مین جو حسن نظر آتا ہے، وہ عارضی اور مستعار ہے، اگر آفتاب کے پرتو سے دیوار روشن ہو جائے، تو دیوار در اصل روشن نہین، بلکہ اصل مین آفتاب روشن ہے، دیوار پر صرف اس کا پرتو پڑ گیا ہے،

گر شود پر نور روزن یا سرا	تو مدان روشن مگر خورشید را
ور در و دیوار گوید روشنم	پرتو غیرے ندارم این منم
پس بگوید آفتاب اے نا رشید	چونکہ من غائب شوم آید پدید

ہمین میل آمد و ناگاہ پیوست
کہ محکم کاہ را بر کہربا بست

بہ ہر طبعے نہادہ آرزوے
یکے و پو دادہ ہر یک را بسوے

غرض کین میل چو گردد قوی پے
شود عشق و در آید در رگ و پے

شعراے ایران نے عشق کے اسی عالمگیر نقطۂ نظر سے کائنات کو دیکھا تو جن چیزون مین عشق و محبت کی کشش زیادہ نظر آئی، ان کو باہم عاشق و معشوق بنا دیا، ذرہ و آفتاب، کاہ و کہربا، کبک و آتش، سرو قمری، گل و بلبل، پروانہ و شمع، نیلوفر و آفتاب، ماہ و کتان، نے یہ سب باہم عاشق و معشوق ہین، دوسرے ممالک کی شاعری مین ایک آدھ چیز کو عاشق مانتے ہین لیکن فارسی شاعری نے تمام کائنات کو عاشق و معشوق بنا دیا، مولانا شبلی نے شعر العجم مین لکھا ہے، کہ یہ اوس عالمگیر حسن کا اثر تھا، جو ایران مین جمع ہو گیا تھا، لیکن ہمارے نزدیک یہ فلسفۂ اشراق کا اثر ہے، جس نے عشق کا عالمگیر کائناتی نظریہ قائم کیا،

۲- علت معشوق اور معلول عاشق ہوتا ہے، اور علت مین قہر اور معلول مین مہر کا جذبہ پایا جاتا ہے، زمین اور زمین کی پیداوار پر سب سے زیادہ اثر آسمان کا پڑتا ہے، اس لئے آسمان اس کی علت اور زمین معلول ہے، اور اسی نسبت سے آسمان مین قہر اور زمین مین مہر کا جذبہ زیادہ موجود ہے، ایرانی شعراء آسمان کی جفا کاری اور بے مہری کی جو شکایت کرتے ہین، وہ اسی اشراقی فلسفہ کا اثر ہے، جو علت کو علت قاہرہ قرار دیتا ہے،

۳- علت مین قدرت، غلبہ، اقتدار اور عزو شرف پایا جاتا ہے، اور اسی نسبت سے معلول مین عجز، اطاعت اور ذلت و مسکنت پائی جاتی ہے، اور چونکہ علت معشوق اور معلول عاشق ہوتا ہے، اس لئے معشوق زیادہ معزز، صاحب اقتدار، اور بلند رتبہ ہوتا ہے، اس کے برعکس عاشق مین عجز، فروتنی اور پستی پائی جاتی ہے، اس لئے ایرانی شاعری سے زیادہ کسی شاعری نے عاشق کو ذلیل نہین کیا، خواجہ حافظ فرماتے ہین :-

شنیدہ ام کہ سگان را قلادہ می بندی
چرا بہ گردن حافظ نمی نہی رسنے

اور یہ اسی فلسفۂ اشراق کے نظریۂ عشق کا اثر ہے، ورنہ عرب مین عاشق اس قدر ذلیل و خوار نہین ہوتا،

(۴) عشق اتحاد چاہتا ہے، عاشق جب تک معشوق سے متحد نہ ہو جائے، اوس کو اور کسی چیز سے تسکین نہین ہوتی، عشق کے اس نظریہ نے وحدۃ الوجود کا مسئلہ پیدا کیا، اور صوفیون نے خدا کی ذات کے ساتھ اتحاد پیدا کرنا چاہا، لیکن جسم کا اتحاد جسم سے نہین ہوتا، بلکہ روح کا اتحاد روح سے ہوتا ہے، اور خدا چونکہ محض روح ہے، اس لئے اس سے اتحاد پیدا کرنے کے لئے جسم کو فنا کرنا چاہئے، صوفیون کے ریاضت و مجاہدہ اور فارسی شاعری مین جسمانی ضعف کے مضامین کی بنیاد اسی نظریہ پر ہے،

(۵) خدا خود اپنی ذات پر عاشق ہے، اس لئے وہ عاشق بھی ہے، اور معشوق بھی، اوس سے زیادہ کوئی چیز حسین و جمیل نہین، اس لئے وہ کسی دوسری چیز پر عاشق نہین ہو سکتا، البتہ اس مین اپنے حسن کی جلوہ گری کا تماشا دیکھ سکتا ہے، اور اسی غرض سے اس نے دنیا کو پیدا کیا ہے، مرزا غالب اسی تخیل کو اس طرح بیان کرتے ہین،

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہین
ہم کہان ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبین

(۶) حسن و جمال اور تمام محاسن و فضائل کا منبع خدا کی ذات ہے، اسی کے فیض کا پرتو درجہ بدرجہ تمام کائنات پر پڑتا ہے، اور دنیا اوس سے روشن ہو جاتی ہے، اس لئے تمام اشیاء مین جو حسن نظر آتا ہے، وہ عارضی اور مستعار ہے، اگر آفتاب کے پرتو سے دیوار روشن ہو جائے، تو دیوار در اصل روشن نہین، بلکہ اصل مین آفتاب روشن ہے، دیوار پر صرف اس کا پرتو پڑ گیا ہے،

گر شود پر نور روزن یا سرا
تو مدان روشن مگر خورشید را

در و دیوار گوید روشنم
پرتو غیرے ندارم این منم

پس بگوید آفتاب اے نارشید
چونکہ من غائب شوم آید پدید

اسی بنا پر اشراقی حکما، خدا کو معشوق اول مانتے تھے، اور صوفیہ نے اسی نظریہ کی بنا پر خدا کو معشوق حقیقی قرار دیا،

چھٹی صدی ہجری تک عشق و محبت کا یہی اشراقی نظریہ صوفیانہ شاعری کا راس المال رہا لیکن اب تک عقل سے اس کا حریفانہ مقابلہ نہین ہوا تھا لیکن چھٹی صدی ہجری مین تصوف اور فلسفہ دونون نے غیر معمولی ترقی حاصل کی تاتاریون کا ہنگامہ اسی زمانے مین شروع ہوا جس نے تمام دنیائے اسلام کو زیر و زبر کر دیا، اور دنیا و مافیہا کی بے قدری اور بے حقیقتی جو تصوف کا سنگِ بنیاد ہے، سب کو علانیہ نظر آ گئی، اس حالت مین لوگون کو خدا سے زیادہ لو لگی، اور نہایت کثرت سے صوفی شعرا پیدا ہو گئے، جن مین مولانا روم، سعدی، اوحدی اور عراقی زیادہ مشہور ہین، لیکن یہی زمانہ عقلی ترقی کا بھی آغاز تھا، عقلی علوم و فنون کی ابتدا اگرچہ عباسیون کے دور حکومت سے ہوئی، لیکن مسلمانون مین اُن کی عام اشاعت اور مقبولیت امام غزالی اور امام رازی کے زمانہ سے ہوئی، اور ان دونون بزرگون نے فلسفہ اور علم کلام کا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا، کہ بچہ بچہ کے کان مین یہ آواز پہونچ گئی، فارابی اور بو علی سینا نے جو فلسفیانہ کتابین لکھی تھین، وہ نہایت مبہم پیچیدہ اور مغلق تھین، لیکن امام غزالی، بالخصوص امام رازی نے فلسفہ کو اس قدر آسان کر دیا، کہ وہ بازیچۂ اطفال بن گیا، اس لئے اس زمانہ مین قدرتی طور پر عشق و عقل کا حریفانہ مقابلہ ہوا، اور دونون کے راستے الگ الگ ہو گئے، فلسفہ اور علم کلام عقلی استدلال کے ذریعہ سے خدا رسی کی راہ دکھاتے تھے، اور تصوف عشق و محبت کے راستے سے اس منزل کو طے کرنا چاہتا تھا، مولانا روم فلسفہ اور تصوف دونون کے اسرار و رموز سے واقف تھے، اس لئے ان کو معلوم ہو گیا کہ فلسفیانہ اور متکلمانہ عقل خدا تک نہین پہنچا سکتی، اس کا ذریعہ صرف عشق و محبت ہے، جو تصوف کا مایۂ خمیر ہے، اس لئے سب سے پہلے انھون نے عقل کے خلاف آواز بلند کی، اور چونکہ امام رازی نے اسی زمانہ مین عقل و حکمت کا صور پھونکا تھا، اس لئے تخصیص کے ساتھ ان کا نام لے کر فرمایا،

پاے استدلالیان چوبین بود ۔۔۔ پاے چوبین سخت بے تمکین بود

گر باستدلال کارِ دین بدے ۔۔۔ فخر رازی رازدار دین بدے

اس حریفانہ مقابلہ سے عشق جو پہلے ہمہ تن عجز و نیاز اور سوز و گداز تھا، وہ ایک جوش و ولولہ بن گیا، اطبا اس کو ایک نفسانی مرض سمجھتے تھے، لیکن مولانا روم نے اوس کو طبیب کا خطاب دیا،

شاد باش اے عشق خوش سوداے ما ۔۔۔ اے طبیب جملہ علتہاے ما

اے علاج نخوت و ناموسِ ما ۔۔۔ اے تو افلاطون و جالینوس ما

اور اب عقل و عشق باہم دو حریف مقابل قرار پائے،

در مذہب عاشقان قراری دگر است ۔۔۔ وین بادۂ ناب را خماری دگر است

ہر علم کہ در مدرسہ حاصل کردیم ۔۔۔ کارِ دگر است و عشق کاری دگر است

یہ زمانہ مولانا روم کے زمانہ سے بھی زیادہ سخت ہے، اوس زمانے مین عقل و عشق دونون زندہ تھے، اس لئے عشق عقل کا مقابلہ کر سکتا تھا لیکن اس دور مین صرف عقل زندہ ہو اور عشق بالکل مردہ ہو چکا ہو،

بُرا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اُسے ۔۔۔ فرنگِ دل کی خرابی خرد کی معموری

جوانان را بد آموزست این عصر ۔۔۔ شب ابلیس را روز است این عصر

بدامانش مثالِ شعلہ پیچم ۔۔۔ کہ بے نور است و بے سوز است این عصر

اس لئے عشق کو عقل کے مقابلہ مین حریفانہ حیثیت سے کھڑا کر کے جو کام اس دور فتن مین مولینا روم نے کیا تھا، اوس سے زیادہ اہم کام اس دور فتن مین ڈاکٹر صاحب نے کیا،

چو رومی در حرم دادم اذان من ۔۔۔ ازو آموختم اسرار جان من

بہ دور فتنۂ عصر کہن او ۔۔۔ بہ دور فتنۂ عصر روانِ من

اور عشق کے مقابلہ مین مختلف حیثیتون سے عقل کو شکست دی،

(باقی)

وادی ایمن

یعنی کلام حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

حضرت مجذوب سے پہلا تعارف — تقریباً دس بارہ سال ہوے راقم الحروف کسی ضرورت سے لکھنؤ گیا تھا، ایک دن مخدومی قطب میاں صاحب سے ملنے کے لئے فرنگی محل جانا ہوا، اس وقت ان کے پاس ایک فرشتہ صورت اور مجذوب صفت بزرگ بڑے والہانہ انداز سے زمزمہ سنجی مین مصروف تھے، ان کی وارستہ مزاجی اور ظاہری وضع و قطع سے نہ جاننے والا ان کی حیثیت اور مرتبہ کا اندازہ نہین کر سکتا تھا، مین بھی سمجھا کہ فرنگی محل کے عقیدتمند خواجگان مین سے کوئی صاحب ہون گے، لیکن دو ہی چار شعر سنے تھے، کہ کلام کی خوبی نے اپنی جانب متوجہ کر لیا، اور یہ تاثر برابر بڑھتا گیا، تا آنکہ ختم مجلس کے وقت دل کلام کی تاثیر سے مسحور اور زبان اس کے اعتراف پر مجبور تھی، یہ شاعر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب انسپکٹر مدارس خلیفۂ مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تھے، جس کا تعارف سے پہلے قیاس بھی نہ ہو سکتا تھا،

لیکن اس مختصر صحبت سے ذوق کو تسکین نہ ہوئی، بلکہ آتش شوق اور بھڑک اٹھی، اتفاق سے اسی دن شب کو کسی تقریب کے سلسلہ مین قطب میاں کی جانب سے دعوت تھی، موصوف نے مجھے بھی مدعو کیا، اس دعوت مین خواجہ صاحب اور دوسرے عمائد شہر بھی شریک تھے، کھانے سے فراغت کے بعد محفل ایمن خواجہ صاحب کا جام گردش مین آیا، اور نو دس بجے شب سے صبح صادق تک برابر موصوف کی شعر خوانی

کا سلسلہ جاری رہا، گویا

ملا ساقی جو دریا دل بلانوشون کی بن آئی — اٹھایا شام سے ساغر تو ہنگام سحر رکھا

خود خواجہ صاحب کی زبان مین کلام کی تاثیر کا یہ حال تھا،

جان رگ رگ سے کھنچی آتی ہے کانون کی طرف — کس قیامت کی کشش اُف تری آواز مین ہے

سامعین کی پوری رات آنکھون مین کٹ گئی تھی، لیکن ہر شخص ہمہ تن گوش تھا، اور سب کی زبانِ حال گویا تھی،

جی اُٹھے مردے تری آواز سے — پھر ذرا مطرب اسی انداز سے

خواجہ صاحب کے جذب و وارفتگی کا یہ حال تھا کہ پڑھتے پڑھتے بیخودی مین اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور نیم رقص کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، اور اُن کی زبان بول رہی تھی،

یہ نغمۂ دلکش مرا بے ساز نہین ہے — وہ بول رہے ہین مری آواز نہین ہے

اس واقعہ کو برسون گذر گئے مگر وہ سمان اب تک نگاہون مین ہے، جب تہجد کے سہانے وقت خواجہ صاحب بڑے جوش اور مستی مین یہ مصرع

اندھیرے مین لوٹین گے جوبن کسی کا

پڑھتے جاتے تھے، اور بڑی ترتیل اور خوش الحانی کے ساتھ "فتہجد بہ نافلۃ لک" کی آیۂ پاک کا مسترادِ اس طرح لگاتے تھے، کہ معلوم ہوتا تھا، کہ یہ مصرع اسی وقت کے لئے کہا گیا تھا، اور اس آیت پاک کی تفسیر یہی ہے، اس تفسیر نے اس عامیانہ مصرع کو کہان سے کہان پہنچا دیا،

اس وقت سے راقم کو خواجہ صاحب کے کلام کے ساتھ ایک خاص شغف اور ذوق پیدا ہو گیا، اس واقعہ کے چند برسون کے بعد شیوخ دار المصنفین حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے، اس تعلق سے خواجہ صاحب کئی مرتبہ دار المصنفین تشریف لائے، اور یہ دولت گھر بیٹھے مل گئی، لیکن ع:-

خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

افسوس کہ یہ دولت بہت جلد چھن گئی، اور دار المصنفین کی آخری آمد کے چند ہی مہینون کے بعد اگست ۴۴ء یہ مجذوب حق واصل بحق ہوگیا،

خواجہ صاحب کے کلام کی خصوصیات

آج کل سب سے زیادہ ارزان جنس شاعری ہے، گلی گلی کوچہ کوچہ مین شاعری کا بازار گرم ہے، لیکن حقیقی شاعری اب بھی نادر ونایاب ہے، عام شعراء کا ذکر نہین اُن شعراء مین بھی جن کا شمار مشاہیر مین ہے، کتنے واقعی شاعر کہلانے کے مستحق ہین، پھر ان تلامیذ الرحمٰن کا کیا ذکر ہے، جن کی شاعری ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا کی مصداق ہو،

کسی زمانہ مین بھی شعراء کی کمی نہین رہی، ہر دور مین بڑے بڑے اساتذہ پیدا ہوتے رہے، لیکن جن کے کلام مین طور کی تجلی اور وادی ایمن کے شرارے ہون وہ ہمیشہ نادر ونایاب کے حکم مین رہے،

فارسی شاعری کے دفتر بے پایان مین جس سے عارفانہ شاعری پیدا ہوئی، صرف عطار، سنائی، شمس تبریز، مولانا روم، ابوسعید ابوالخیر، اوحدی کرمانی، عراقی، خسرو، یا اور اس قبیل کے دوچار شعراء اس حریم قدس کے محرم تھے، جن کے کلام مین آتش عشق کے شرارے اور شراب محبت کی مستی ہے، اردو مین اصحاب دل شعراء کی تعداد اور بھی کم اور انگلیون پر گنی جاسکتی ہے،

درحقیقت یہ صوت سرمدی موہبت الٰہی اور انہی سوختہ سامانون کا حصہ ہے، جن کے سینے عشق حقیقی کی آگ سے سوزان اور جن کے دل بادۂ معرفت سے لبریز ہین، یہ دولت عموماً صوفیائے کرام کا حصہ رہی ہے، خصوصاً خواجگانِ چشت مین اس شراب کی مستی زیادہ رہی ہے، حضرت مجذوب بھی اسی میکدہ کے بادہ خوار تھے، اور اُن کی طبیعت کو ذوق ومستی سے زیادہ مناسبت تھی، اس لئے ان پر اس کیفیت کا غلبہ زیادہ تھا، مگر اس سلسلۃ الذہب کے بزرگون کی طرح اس مستی مین بھی ان کا قدم شریعت وتقویٰ کے جادۂ مستقیم سے کبھی نہین ہٹا،

درکفے جام شریعت درکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

خواجہ صاحب فطری شاعر تھے، اُن کے سینہ سے شاعری کا چشمہ اُبلتا تھا، کہنے پر آتے تھے، تو بے تکان کہتے چلے جاتے تھے، قافیے پناہ مانگ جاتے تھے، لیکن اُن کی طبیعت کی روانی نہ رکتی تھی، جس پر ان کی طویل غزلین شاہد ہین، اس فطرتِ شعری مین ذوق ومستی کی آمیزش نے اس شراب کو زیادہ تیز کر دیا تھا، فنی حیثیت سے بھی وہ کامل الفن شاعر تھے، معنوی محاسن سے قطع نظر ان کا کلام ظاہری خوبیون سے بھی آراستہ اور فنی حیثیت سے استادانہ ہے، جس کی تفصیل آیندہ آئے گی، اُن کے کلام مین بڑی نیرنگی اور جامعیت ہے، ایک طرف اس مین سنائی اور عطار کی حکمت، شمس تبریز کی گرمی، مولانا روم کا جوش وخروش، اور خسرو کی مستی ہے، دوسری طرف میر کے نشتر اور غالب کے فلسفہ سے لیکر داغ وامیر کی معاملہ بندی، بلکہ ناسخ اور امانت کے ضلع جگت تک کے نمونے موجود ہین جو ان کی قادر الکلامی کی دلیل ہے، لیکن یہ ان کا اصل رنگ نہین، عمومیتِ فیض ہمیشہ سے صوفیائے کرام کا حصہ رہا ہے، اس لئے خواجہ صاحب نے بھی عوام کو محروم رکھنا مناسب نہ سمجھا، اور اُن کی دلچسپی اور تفریح طبع کے لئے اپنے کلام مین کچھ رنگین چھینٹے بھی دیدیئے ہین، کہ خواص کے ساتھ عوام بھی ان کے کلام سے لطف اندوز ہوسکین، خود فرماتے ہین،

ادھر ہین رند مستی مین اُدھر ہین وجد مین صوفی
مزے ہر رنگ والے کو مرے اشعار مین آئے

اُن کا اصل رنگ جس مین وہ اپنے دور مین بالکل منفرد اور تنہا تھے، عشق حقیقی کی واردات اور راہ سلوک کے احوال وکوائف کی ترجمانی ہے، اُن کے کلام کا یہی حصہ ان کی شاعری کی اصل روح اور خود شاعری کی زبان مین حقائق ومعارف کا الہام ہے،

یہ حقائق یہ معانی یہ روانی یہ اثر
شاعری تیری ہے اے مجذوب یا الہام ہے

ان حقائق ومعانی والہام کی کیفیتین اتنی گوناگون نازک اور لطیف ہین، کہ شرح وبیان کی متحمل

نہین ہوسکتین، اور خواجہ صاحب نے اُن کو جن جن پیرایون مین بیان کیا ہے، اس کی مثال اردو شاعری مین نہین مل سکتی، خواجہ حافظ کی طرح اُن کے خیالات کا دائرہ بھی محدود ہے، لیکن بیان کے تنوع اور نیرنگی سے ایک عالم نظر آتا ہے،

یہی ہو رنگ اگر مجذوب کی مستانہ غزلون کا عجب کیا ہند کا وہ حافظ شیراز ہوجائے

میری عرصہ سے تمنا تھی کہ جس پایہ کا یہ کلام ہے، اسی درجہ کے کوئی بزرگ اس پر قلم اٹھاتے لیکن جب کہین سے کوئی صدا نہ اٹھی، تو اپنی نااہلی کے باوجود راقم کو اس سعادت کے حصول کا حوصلہ پیدا ہوا، مگر اس کے لئے خواجہ صاحب کے پورے کلام یا کم از کم اس کے معتدبہ حصہ کے مطالعہ کی ضرورت تھی جس کی بظاہر کوئی اُمید نہ تھی، ایک دو مرتبہ اس کی کوشش بھی کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی، اور یہ حسرت دل ہی مین رہ جانے کو تھی، کہ طلب صادق کی کار فرمائی نے خود اس کا سامان پیدا کر دیا،

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خواجہ تاش بزرگون کو ان کے کلام کی ترتیب و اشاعت کا خیال پیدا ہوا، انھون نے یہ کام مولانا مسعود علی صاحب مدظلہ کے متعلق کیا، انھون نے یہ بار امانت میرے حوالہ کیا، اس طرح ع

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

اور راقم کو ایک دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع ملا،

خواجہ صاحب کی صوتِ سرمدی پر مجھ جیسے نااہل اور ناآشنائے ذوق کا قلم اٹھانا بڑی جسارت ہے، لیکن اس حُسن نیت کی بنا پر قابلِ معافی ہو کہ اگر باطنی دولت سے محرومی ہے، تو کم از کم اس کے مداحون ہی کے زمرہ مین شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوجائے، ع

بلبل ہمین کہ قافیۂ گل شود بس است

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، خواجہ صاحب کے کلام کے دو حصے یا دو رُخ ہین، ایک خالص مادی شاعری، دوسرا قلبی کیفیات و باطنی واردات، پہلے حصہ پر نقد و تبصرہ آسان ہے، لیکن دوسرے کا تجزیہ بہت مشکل ہو کہ

پھول کی بو اور شراب کے نشہ کو الفاظ مین نہین دکھایا جاسکتا، اور آفتاب کی کرنون اور نور کی تجلیون کو مٹھی مین بند نہین کیا جاسکتا، اس کا ادراک صرف حواس ہی کر سکتے ہین، تجزیہ سے اس کی ساری خوبی اور لطافت غارت ہوجاتی ہے، اس کا شارح صرف ذوق سلیم ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے، راقم ان اسرار کا محرم نہین، اس لئے اگر کسی شعر کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اس کی تشریح مین لغزش ہوجائے تو اس کو راقم کی نارسائی پر محمول کیا جائے، اس اعتراف کے بعد کلام مجذوب کے متعلق کچھ قلبی تاثرات پیش کئے جاتے ہین،

بادۂ معرفت

دوسرے اکابر اہل دل شعراء کی طرح خواجہ صاحب نے بھی باطنی کوائف اور راہ سلوک و معرفت کے حالات و مقامات کی تعبیر کے لئے بیشتر شراب اور اس کے لوازم کا پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے، گو ان کی تعبیرین اسی پیمانہ تک محدود نہین ہین، بلکہ ان کے خیالات کی طرح اُن کے طریقۂ تعبیر مین بھی نیرنگی ہو، لیکن اس سرمست بادۂ وحدت کی واردات کی ابتدا اسی بادہ سے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس سے خواجہ صاحب کے کلام کی اصلی روح کا بھی اندازہ ہوجائے گا،

عموماً اس طریقۂ تعبیر مین مجاز کا رنگ اتنا گہرا ہوتا ہے، کہ حقیقت و مجاز مین امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے، لیکن خواجہ صاحب کے یہان یہ پردہ اتنا ہلکا اور لطیف ہے، کہ حُسن حقیقت کا چہرہ صاف جھلکتا دکھائی دیتا ہے، اور اکثر مقامات پر خود کلام بول اٹھتا ہے، کہ وہ دوسرے عالم کی آواز ہے،

حضرت مجذوبؒ کو اپنے مرشد برحق سے والہانہ شیفتگی تھی، اور انھین فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل تھا، شیخ کی بارگاہ مین بھی اُن کو بڑی مقبولیت و محبوبیت حاصل تھی، جس کے اشارے کہین کہین ان کے کلام مین بھی پائے جاتے ہین، مثلاً

مجذوب کو تو لائے وہ ہمراہ بزم مین
اور سالکون کو دور سے رستے بتا دیئے

حضرت نظام الدین اولیا، قدس سرہٗ اور حضرت امیر خسرو کے ربط و تعلق کے جو واقعات سننے اور پڑھنے مین آتے ہین، اس کی زندہ مثال حضرت مجذوب اور اُن کے مرشد کے تعلق مین نظر آتی تھی، حضرت مجذوب شیخ کی شراب عشق مین سراپا مخمور تھے، ان کا ہر موے بدن شیخ کی ثنا و صفت کا ایک شور تھا، جس پر ان کا کلام شاہد ہے،

ترے محبوب کی یارب شباہت لیکے آیا ہون   حقیقت اس کو تو کر دے مین صورت لیکے آیا ہون

جو اشرف تھا زمانہ مین جو اشرف ہو زمانہ مین   مین ایسے تیرے اشرف کی عقیدت لیکے آیا ہون

اسی لئے ان کے قریب قریب کل اشعار مین ساقی و پیر میخانہ سے مراد شیخ طریقت ہین، بعض بعض اشعار مین یہ کنایہ تصریح کی حد تک پہنچ جاتا ہے،

چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو   جوان آج پیر مغان ہو رہا ہے

دمکتا ہے چہرہ چمکتی ہین آنکھین   بڑھاپے مین بھی جان جان ہو رہا ہے

حوض کوثر موجزن پیر مغان کے دل مین ہے   کس مین ہے وہ بات جو اس مرشد کامل مین ہے

ہزار راحت ہزار رحمت مگر نہین دم زدن کی جرأت   یہ سادگی مین بھی رعب ہیبت اسی جلال تمام مین ہے

یہین سے پاؤن گا ہر نعمت دنیا و دین ساقی   کہین کیون جاؤن میرے میکدہ مین کیا نہین ساقی

ٹلون گا مین نہ ہرگز لاکھ ہو تو خشمگین ساقی   کہ جو مے سب سے بہتر ہو وہ ملتی ہی یہین ساقی

شرابین سیکڑون ساقی ہزارون بادہ کش لاکھون   مین اُن کا مست ہون آنکھون سے جو مخمور کرتے ہین

مجذوب ہی کا خانۂ دل کیا کہ آپ نے   گھر ایسے ایسے کتنے نہ جانے سجا دیئے

اس قسم کے بکثرت اشعار ہین، جن سے حضرت مجذوب کے ساقی و مے و میخانہ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، فرماتے ہین:-

مرے جام و مینا نہین جام و مینا   یہ ہے قلب روشن وہ ہے چشم بینا

ان کے میخانہ کے شیوخ کا سلسلہ اس رحمۃ للعالمین ؐ پر منتہی ہوتا ہے، جس کے فیض سے سارا عالم سیراب ہے،

نہ چھیڑ اے محتسب مین ہون مئے وحدت کا متوالا   مین وہ میخوار ہون جس کے ہین ختم المرسلین ساقی

کہون کیونکر نہ تجھکو رحمۃ للعالمین ساقی   کہ تیرے فیض سے سیراب ہر روے زمین ساقی

اس شراب کی حقیقت ظاہر ہونے کے بعد اب اس کے اثرات اور مختلف کوائف ملاحظہ ہون، اس کے بادہ خوارون کے دل خوف و خشیت سے لبریز ہوتے ہین،

بہت پاتا ہون مین رندون مین خوف یوم دین ساقی   بنی اُمّ الخبائث بھی شراب الصالحین ساقی

ان پر سارے اسرار دین فاش ہوتے ہین، اور انھین ایمان کامل کا درجہ حاصل ہوتا ہے،

ترے رندون پہ سارے کھل گئے اسرار دین ساقی   ہوا علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ساقی

اس وقت یہ کہنا بالکل صحیح ہے،

کہان سے مجھ کو پہنچایا کہان پیر مغان تو نے   مرا میخانہ اب لاہوت ہے روح الامین ساقی

یہ میخانہ انوار الٰہی کا منبع اور عرش برین کا ہم پایہ ہے،

تری محفل مین کیا انوار ہین اے مہ جبین ساقی   اتر آیا زمین پر آج کیا عرش برین ساقی

اس میخانہ کی دریوزہ گری کے بغیر کمال حاصل نہین ہو سکتا،

عبادت ریاضت کرے لاکھ زاہد   مقدس جو ہوگا تو مے خوار ہو کر

یہ کچھ اور ہی ہے ذرا چکھ تو مرے ساغر کی   جو پھر کبھی تجھے زاہد طلب ہو کوثر کی

اس راہ کی ابتدائی جھجک کی کتنی لطیف اور صحیح توجیہ ہے،

جام پیتے ہاتھ کپتا ہے تو اے ساقی نہ ہنس   پہلا موقع ہے نہین پڑتی ہے ہمت کیا کرون

اس شعر پر راقم کو ایک ذاتی مشاہدہ یاد آگیا، میرے ایک محترم بزرگ نے جب ابتدا مین اس را

مین قدم رکھا تو عادت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو جام "یعنی تسبیح ہاتھ مین لینے مین جھجک محسوس ہوتی تھی
فرماتے تھے کہ اس پر ریا کا دھوکا ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ جب اس کا چسکا لگ گیا، تو اب یہ جام و سا
کسی وقت اُن کے ہاتھ سے جدا نہین ہوتا، بقول مجذوب

وہ ریا جس پر تھے زاہد خندہ زن — پہلے عادت پھر عبادت ہو گئی

اور اب ان کا یہ حال ہے،

دم رکا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر رُکا — میرا دورِ زندگی ہے یہ جو دورِ جام ہے

جام و ساغر و مینا کی یہ تشریح خود حضرت مجذوب کی زبان فیض ترجمان سے راقم نے سُنی
فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ الہ آباد کی انسپکٹری کے زمانہ مین کامون کی اتنی کثرت ہو گئی تھی، کہ اوراد و
کے معمولات پورا کرنے کا بھی موقع نہ ملتا تھا، اس کی ترجمانی اس شعر مین فرمائی تھی،

نہ مطرب نہ ساقی نہ ساغر نہ مینا — ارے یہ بھی ہے کوئی جینے مین جینا

اسی طریقہ سے اس شعر

رواں سوے کعبہ یون ترا مستانہ ہوتا ہے — کہ بوتل تو بغل مین ہاتھ مین پیمانہ ہوتا ہے

کی تشریح مین فرمایا کہ ہاتھ مین تسبیح اور بغل مین کلام مجید،
یہ واقعات درمیان مین ضمناً آگئے، اصل مقصود بادۂ معرفت کے احوال و کوائف پیش کر
ابتدائی جھجک کا منظر او پر گذر چکا ہے، آخر مین غلبۂ شوق کا یہ حال ہو جاتا ہے،

پینے سے کیا بجھے گی بلا کی ہے تشنگی — ساقی تو آج مجھکو ڈبو دے شراب مین

لیکن یہ شراب بڑی تیز و تند ہے، اس کا تحمل آسان نہین،

یہ کس بھٹی کی دی تو نے شراب آتشین ساقی — کہ آنکھون سے لہو کی ندیان بہنے لگین ساقی

پلا دی ہے کس تیز بھٹی کی ساقی — کہ مجذوب آتش بجان ہو رہا ہے

دے تاؤ نہ اب اتنا کہ آنچ ذرا ہلکی — تیزی پہ ہے ساقی اُڑ جائے نہ میخانہ

اس میخانہ کے بادہ خوار ہی ان کوائف کا اندازہ کر سکتے ہین، ایسی تیز و تند شراب کے لئے بڑے
اندازہ دان ساقی کی ضرورت ہے،

نظر مین جانچ لیتا ہے کہ کس کا ظرف کتنا ہے — دکھائے کوئی ایسا نکتہ رس اور دور بین ساقی

رہے ہشیار پی کر خم کے خم بھی تیرے متوالے — تیرے اندازہ بخشی پہ ہے صد آفرین ساقی

اس شراب کے انقلاب انگیز اثرات :۔

ساقی نے بدل ڈالی دنیا مری ہستی کی، — آنکھین ہین کہ میخانہ دل ہے کہ پری خانہ

اس شعر کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے اس حالت کو پیش رکھنا ضروری ہے، کہ صاحبِ دل بزرگون کی
آنکھون مین ایک خاص کیفیت و کشش پیدا ہو جاتی ہے، اور ان کا دل یادِ الٰہی سے معمور رہتا ہے،
دنیا سے بے تعلقی و تبتل الیہ تبتیلاً

بڑھ گیا ربط کچھ ایسا مرا بیگانون سے — کچھ تعلق ہے نہ اپنون سے نہ بیگانون سے

چسکا لگا ہے جام کا شغل ہے صبح و شام کا — اب مین تمھارے کام کا ہمنفسو نہین رہا

ہوا مین بے خبر دونون جہان سے ایک ساغر مین — ہوئے سب طے مراحل اولین و آخرین ساقی

اس شراب کے ذوق آشنا کے لئے پھر ساغر و مینا کے اہتمام کی ضرورت نہین رہ جاتی،

ہمیشہ ہون مست اور ساغر نہ مینا — اسے کہتے ہین دیکھ اے رند پینا

وہ پیر مغان کا نظر کردہ مین ہون — کہ پانی مین کیف شراب آ رہا ہے

جس کو فکر جام و ساقی ہو وہ رند خام ہے — ہم کو تو اب آب سادہ ہی ہے گلفام ہے

اب ہون ہی کب مین دائرۂ احتساب مین — اب مجھکو امتیاز ہی نہین آب و شراب مین

وہ لطیف الطبع ہون جو بے پئے مخمور ہو — محتسب بھی ایسے ظرفہ رند سے مجبور ہے

یعنی اس وقت ذکر و فکر کے لئے اہتمام کی بھی ضرورت نہین رہتی، ہر موے بدن تسبیح بن جاتا ہے، اور قلب سے خود بخود ذکر الٰہی کی موجین روان ہوجاتی ہین،

ایسی رندی سراسر رحمت اور نکوکاری ہے،

کرم کے بھروسہ پہ میخواریان ہین — یہ میخواریان کیا نکوکاریان ہین

کریم ہی کے بھروسہ پہ پی رہا ہون مین — مین رند تو ہون مگر رند پارسا ہون مین

ظہور رحمت مولیٰ بھی تو ضروری ہے — گناہگار نہ ہون تو گناہگار ہون مین

نگاہ ساقی کا فیض

نظر کردہ ترا کب طالب پیمانہ ہوتا ہے — تری اک اک نظر مین کیف صد میخانہ ہوتا ہے

ساقی کی توجہ خاص کا اثر،

حقیقت مین تو میخانہ بھی میخانہ ہوتا ہے — ترے دست کرم مین جب کبھی پیمانہ ہوتا ہے

رندی اور مے کشی کا لطیف فرق :-

میکشو یہ تو میکشی رندی ہے میکشی نہین — آنکھون کی تم نے پی نہین آنکھون سے تم نے پی نہین

غلبۂ حال کے زمانہ مین یاد محبوب ذکر محبوب اور گریہ وزاری سے بہتر کوئی شغل نہین ہوتا،

مستی کا زمانہ بھی کیا خوب زمانہ ہے — پینا ہے پلانا ہے، رونا ہے رولانا ہے

ساقی کی مستانہ ادائی کے کرشمے،

تیری مستانہ ادائی کے کرشمے ہین یہ سب — میری رندانہ روش تو مفت مین بدنام ہے

اس شعر کو نوشتۂ تقدیر کے مقابلہ مین انسان کے عجز و بے بسی پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے،

شراب کی تطہیر یا اجماع طریقت و شریعت :-

مے بھی یون طاہر بنا لیجائے گی — آب زمزم مین ملا لیجائے گی،

خرقہ کا مصرف

اور تو کیا لین ہی گے خرقہ سے کام — اس مین بوتل بھی چھپا لیجائے گی

شیخ و زاہد محتسب وغیرہ

مے پرستون یعنی بادہ معرفت کے متوالون، اور شیخ و زاہد محتسب یعنی متقشف علمائے ظاہر مین پرانی رقابت ہے، اور ان پر طعن و طنز شاعری کا جزو بن گیا ہے، خواجہ حافظ اس فن کے امام ہین، انھون نے ریاکار زاہدون کی خوب پردہ دری کی ہے، لیکن ان بزرگون کے کلام مین جہان شیخ و زاہد وغیرہ کا ذکر آیا ہے، ان سے مراد وہ ریاکار ارباب ظاہر ہین جن کے دل شراب معرفت یعنی دین کی روح سے خالی ہین، اور ان کا کام صرف دوسرون کی عیب چینی ہے، ورنہ وہ علمائے برحق جو شریعت و طریقت کے مجمع البحرین اور دین کی پاسبانی کے ساتھ اس حریم قدس کے بھی محرم ہین، ہر طبقہ کے لئے واجب الاحترام ہین، رندانہ شاعری مین اُن سے نہین بلکہ پہلے طبقہ کے علماء سے خطاب ہے، خواجہ صاحب مین طبعی شوخی اور زندہ دلی تھی، اس لئے انھون نے بھی اُن پر بڑی لطیف چوٹین کی ہین لیکن وہ محض تمسخر اور استہزا نہین ہین، بلکہ اس مین بڑے نکتے اور لطائف پیدا کئے ہین،

محض ارباب ظاہر سے فیض باطنی کا حصول ممکن نہین،

ترا وجود ہے بے فیض مردہ دل زاہد — کہ نخل خشک سے امید برگ و بار نہین

اس بے جان جسم مین محبت کی گرمی سے روح پیدا ہوسکتی ہے،

زاہدون پر مے اچھالی جائے گی — روح ان مردون مین ڈالی جائے گی

راہ سلوک و معرفت کے شرائط محض احکام شرعی کی پابندی سے زیادہ سخت ہین،

زاہد در میخانہ بھی کیا ہے در توبہ — یہ ہر کس و ناکس کے لئے باز نہین ہے

اس لئے عالم ہونا آسان ہے اور عارف ہونا بہت مشکل ہے،

ترک دنیا اور گوشہ گیری مین دینداری کمال نہین، بلکہ دنیا مین رہ کر دین پر قائم رہنا اصل کمال ہے

دکھا اتقا آکے رندون مین زاہد
یہ حجرہ مین کیا پارسا ہو رہا ہے

ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف اہل دل کا معیار تقوی سند ہے،

یہ واقعات نادر نہین کہ اہل دل کی ایک نگاہ نے بڑے بڑے علما کی کایا پلٹ دی

ذرا ہشیار رہنا شیخ جی مین ہون وہ مستِ
نظر مین زاہد صد سالہ کو پیر مغان کر دون

اگر شراب محبت کی مستی وقار علم کے خلاف ہو تو کم از کم اس سے ربط باطن ہی رکھنا چاہئے،

ہو خلاف وضع زاہد بر ملا رندی اگر
دختر رز سے چھپے چوری ہی یارانہ رہے

زاہد کے ذوق مے پرستی پر لطیف تعریض،

مین تو ہون ہی رند زاہد پارسا تو بھی نہین
مین اگر ہون جام بر کف تو نظر بر جام ہے

محتسب کے ذوق رندی کا دلچسپ ثبوت

مگر اے محتسب تجھکو بھی ہے کچھ ذوق رندی کا
جبھی آتا ہے تو جب رنگ پر میخانہ ہوتا ہے

شیخ کی ہٹ دھرمی

حق بات جانتے ہین مگر مانتے نہین
ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب مین

اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گو عالم سلوک و معرفت کی حقانیت دل پر روشن ہے، لیکن زبان سے اعتراف اور اس پر عمل نہین،

بعض شوخ مذاق

شیخ کی پگڑی اچھالی جائیگی
سر کشی سر سے نکالی جائیگی

رخصت تقوی کے دن ہمراہ شیخ
دختر رز بن کے سالی جائیگی

راہ عشق و محبت کے کوائف اور سلوک کے احوال و مقامات

جذبات کی دنیا مین عشق و محبت کی کیفیتون سے زیادہ لطیف پر کیف دسیع اور گوناگون کوئی جذبہ نہین، یہ اپنے اندر کیفیات کا ایک عالم رکھتا

بحر محبت کی موجین بڑی پر جوش اور ان گنت ہین، شعرا کے تخیل نے بڑی بلند پروازیان کین، بڑی گہرائیون مین ڈوبے، مگر کوئی شاعر اس کا احاطہ نہ کر سکا،

یہ تو مادی عشق و محبت کے جذبات کی نیرنگی کا حال ہے، جو نسبتہً محدود ہے، پھر عشقِ حقیقی کے بحر ناپیدا کنار کی وسعت و گہرائی اور جوش و خروش کا کون اندازہ کر سکتا ہے، جس کی بقول مجذوب کوئی ابتدا و انتہا نہین،

کشتیِ دل یہ ناگہان آگئی ناخدا کہان
جٹیے تو ابتدا نہین بڑھیے تو انتہا نہین

اور بڑے بڑے اصحاب دل شعرا کو اپنے عجز و نارسائی کا اعتراف کرنا پڑا،

دفتر تمام گشت و بہ پایان رسید عمر
ماہمچنان در اول وصف تو ماندہ ایم

یہ عالم لاہوت بے کیف و کم ہونے کے باوجود، گوناگون کوائف سے معمور ہے، حضرت مجذوب نے ان کی بڑی لطیف ترجمانی کی ہے، یہ ان کی شاعری کا بڑا نازک اور دقیق حصہ ہے، جس سے صرف ذوق سلیم ہی لذت گیر ہوسکتا ہے،

یہ راہ سراسر عشق و محبت کی ہے، اور محبت کے حالات و کوائف گوناگون ہین، اس کا مقام عرش سے بھی اونچا ہے،

چڑھین دار پر یا چڑھین طور پر ہم
رسائی سے بالا ہے بام محبت

ازل ابتدا ہے ابد انتہا ہے
نہ صبح محبت نہ شام محبت

نہ ہوگا ابد تک بھی پورا نہ ہوگا
میرا قصۂ نا تمام محبت

سنبھل کر ذرا تیز گام محبت
مقام ادب ہے مقام محبت

مقام فنا ہے مقام محبت
کہ یکسان ہین سب خاص و عام محبت

ٹھہر یاد جانان ٹھہر میرے دل مین
یہی ہے یہی ہے مقام محبت

مٹے فرق وصل و فراق من و تو جو ہو جائے راسخ مقام محبت

وہ آئے ہیں اور میں ہوں محوِ تصور عجب کیف ہے کیف جام محبت

حقیقت ہی اب چارہ سو جلوہ گر ہو جدھر پھیر دوں میں نظام محبت

لیکن یہ راہ بڑی کٹھن اور دشوار گذار ہے، اس میں کامیابی کی پہلی شرط ہمت و استقلال اور مشکلات و مصائب کا مقابلہ ہے،

دیکھ یہ راہ عشق ہے ہوتی ہے بس یوں ہی طے سینہ پہ تیر کھائے جا آگے قدم بڑھائے جا

قدم جس طرح ہو بڑھاتا چلا جا کہیں پر نہ رک لڑکھڑاتا چلا جا،

بس چلا چل قطعِ راہِ عشق اگر منظور ہے یہ نہ دیکھ اے ہم سفر نزدیک ہے یا دور ہے

ہمیں تو رات دن اے ہم سفر گرمِ سفر رہنا سفر محدود ہو جسکا اسے ہو فکر منزل کی

اس راہ کی لغزش بھی وصول کا ذریعہ ہے،

میں لاکھ چلا پھر بھی پہنچا نہ سرِ منزل کچھ تو ہی سہارا دے اے لغزشِ مستانہ

اور اس کی گم کردہ راہی کا بھی یہ درجہ ہے

طریقِ عشق میں جو جس قدر گم کردہ منزل تھا وہ بس اتنا ہی اے دل خضر رہ بننے کے قابل تھا

یہ دولت کیا کم ہے کہ

اک مسلسل کیف و ذوق و شوق میرے دل میں ہے خیر یہ مقصد تو حاصل سعیِ لاحاصل میں ہے

اس راہ میں جان تک کی بازی لگانے سے دریغ نہ کرنا چاہیے،

بے جھجک شوق سے ہاں مٹنے پہ ہو جا تیار بے نشان ہو کے وہ کچھ اپنا پتہ بھی دیگا

خود ہوش سب کچھ گنواتا چلا جا نشاناتِ ہستی مٹاتا چلا جا

دیتا ہے زہر کا پیالہ میرا ساقی پہلے پی لیا جس نے اسے آبِ بقا بھی دیگا

جو سب کچھ ہو برباد مطلق نہ غم کر بس اک خیر دل کی مناتا چلا جا

اس راہ کی دوسری شرط جنون و سودا ہے، بغیر مجنونانہ طلب کے مقصود حاصل نہیں ہو سکتا، اور بغیر خود کو کھوئے ہوئے مطلوب نہیں مل سکتا،

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے سرِ زاہد نہیں یہ سر ہے سرِ سودائی ہے

اب بھی مجذوب جو محروم پذیرائی ہے کیا جنوں میں ابھی آمیزش دانائی ہے

بمقدار جنون مجذوب واصل ہوتا جاتا ہے کہ ہوش اپنا تو زائل انکا حاصل ہوتا جاتا ہے

ادھر ہر گام پہ گم کردہ منزل ہوتا جاتا ہے بفیض جذب ادھر مجذوب واصل ہوتا جاتا ہے

حدیث کی کتابوں میں صحابہ کرام رضی کے حالات میں آتا ہے، کہ اگر تم ان کی شدت ایمان اور جوش عمل کو دیکھتے تو ان کو مجنون سمجھتے، اوکما قال،

کوئی طالب محروم نہیں، قرب و دوری وغیرہ اس راہ کے مختلف کوائف ہیں،

حدیں عشق کی کر رہے ہیں وہ قائم کبھی پاس آکر کبھی دور ہو کر

سرِ دار ہو کر سرِ طور ہو کر ترے پاس پہونچے بہت دور ہو کر

زیادہ قرب خطرناک ہے، اس میں طالب کو اپنی ذات پر مطلوب کا دھوکا ہو جاتا ہے،

نہ پاس آؤ اتنے ملے دور ہو کر میں کچھ اور کہہ دوں نہ منصور ہو کر

مطلوب کی ظاہری بے توجہی بھی در پردہ توجہ ہے، اور کسی نہ کسی عنوان طالب کی تشفی کا سلسلہ قائم رہتا ہے،

مجھے یاس کیوں ہو کہ وہ دل میں بیٹھے برابر تسلی دیئے جا رہے ہیں

ان سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

اس کا غضب بھی در اصل کرم ہے، صرف پردہ عتاب کا ہے، کہ یہ بھی اصلاح و تطہیر کا طریقہ ہے،

سمجھتے تھے جس کو غضب ہو رہا ہے — وہی اب کرم کا سبب ہو رہا ہے

کرم ہی کرم روز و شب ہو رہا ہے — مگر ہاں بہ شکلِ غضب ہو رہا ہے

بعض روایات میں بھی آیا ہے کہ گنہگار مسلمانوں کے عذاب کا مقصد معاصی کی آلایش سے ان کی تطہیر ہے

یادِ محبوب کی مختلف کیفیتیں

بس اب تو یہ ہو کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی — اکیلے بیٹھے رہتے یاد اُن کی دلنشیں ہوتی

رات دن میں جوں تری یاد ہے تنہائی ہے — کام ہی کچھ ہے نہ فرصت ہی کبھی پائی ہے

خانۂ دل میں عجب انجمن آرائی ہے — رو کشِ بزمِ دو عالم مری تنہائی ہے

جلوۂ محبوب کے لئے قلب کا ماسوا سے فارغ ہونا ضروری ہے، کہ ایک مکان میں دو مکین نہیں رہ سکتے،

آ میرے دل کی بزمِ تمنا میں اب تو آ — دیتے تھے جو دھواں وہ دیئے سب بجھا دیئے

وارفتگیِ شوق کا امکاں نہیں رہا — آجا کہ دل میں اب کوئی ارماں نہیں رہا

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی — اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

کوئی حسرت ہے نہ اب کوئی تمنا دل میں ہے — شکر ہے اب عشق اپنا آخری منزل میں ہے

باقی نہیں اب کوئی تمنا مرے دل میں — موجود ہے عکسِ رُخِ زیبا مرے دل میں

کس جگہ بیخودیِ شوق یہ لے آئی ہے — کہ جہاں کوئی تمنا نہ تمنائی ہے

تصورِ محبوب کی عظمت اور اس کے نتائج،

اس رُخ کے تصور کو آنکھوں میں جماتا ہے — ہر ذرۂ عالم کو اک طور بناتا ہے

یہ آج تصور میں مرے کون حسیں ہے — ہر مو شجرِ طور ہے دل عرشِ بریں ہے

کیا گھر تصور میں کس مہ لقا نے — جو دل پر مسلسل ضیا باریاں ہیں

تصورِ عرش پر ہے وقفِ سجدہ ہے جبیں میری — میرا اب پوچھنا کیا آسماں میرا زمیں میری

غلبۂ تصور کے نتائج

یوں تصور ترا پیوست دل و جاں ہو جائے — فرقت وصل مجھے عشق میں آساں ہو جائے

تری تصویر سی ہر سو کبھی معلوم ہوتی ہے — تصور کی یہ سب صورتگری معلوم ہوتی ہے

جو میں دن رات یوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں — تری تصویر سی دل میں کبھی معلوم ہوتی ہے

جہاں میں جاؤں میری ساتھ ہے تصورِ دوست — تمام روئے زمیں اب ہے کوئے یار مجھے

فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ،

تصور کی دیکھو تو معجز نمائی — کہ مجھ پر تمہارا گماں ہو رہا ہے

جمالِ وحدت کی نیرنگی

جلوہ گر عالم وحدت میں ہے کثرت ہر سو — آئینہ خانہ میں تو محوِ خود آرائی ہے

آئیں بھی تو کیونکر میری پہچان میں آئیں — بیرنگ ہیں سو رنگ کی لیکن میں قبا ہیں

جہاں میں ہر سو ہے اُن کا جلوہ کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے،

وہ ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے، مگر کوئی دیدہ ور نہیں ہے

حجاب کے پردے،

یہ اپنی حدِ نظر ہے کسی کی دید کہاں — یہ عکسِ حُسنِ نظر ہے جمالِ یار نہیں

وہ جلوہ تو ہر سو عیاں ہو رہا ہے — حجابِ خودی درمیاں ہو رہا ہے

دکھا نہ تو روئے آفتابی حجاب تیری ہے بے حجابی — مری نظر کی ہے یہ خرابی کہ تابِ جلوہ حجاب میں ہے

ناکام ہی تا عمر رہا طالب دیدار — ہر جلوہ ترا بعد کو پردہ نظر آیا

طلب میں کیا کیا نہ زور مارے کبھی نہ جیتے ہمیشہ ہارے — حجاب گو اُٹھ گئے ہیں سارے ہنوز چہرہ نقاب میں ہے

پردہ امتحان طلب ہے، اس سے مایوس نہ ہونا چاہئے،

عیان ہو کے جلوہ نہان ہو رہا ہی
طلب کا مری امتحان ہو رہا ہے

اس پردہ کو ہٹانے کے لئے ہمت چاہئے،

اٹھ جائے ابھی کام لین ہمت سے اگر ہم
اک یہ دن ہی سا پردہ ہی ادھر وہ ہین ادھر ہم

تو اپنے رخ کے سامنے پردے ہزار ڈال
سب دور ہین بس اک نگہ کامیاب مین

سب ترا پردہ دھرا رہ جائے گا
جب ذرا گردن جھکالی جائے گی

پردہ اٹھتا ہے،

چھپاتا بھی ہے، اور دکھاتا بھی رخ کو
وہ رک رک کے زیر نقاب آرہا ہی

یہ برق صفت کون اٹھا دیتا ہی پردہ
ہو جاتا ہے اک دم جو اُجالا میرے دل مین

دل کی دنیا جو جگمگا اٹھی
کس نے پردہ اٹھا کے دیکھ لیا

جلوۂ جمال اور اس کی تجلی کے ظاہری اثرات؛ حیرت

نقاب الٹ بھی دو اب کوئی ہوشیار نہین
کہ منتظر کو بھی احساس انتظار نہین

کبھی تکلیف فرما کر وہ آئے بھی تو کیا آئے
انھین خلوت ہی مین رکھتی حیرت اہل محفل کی

وہ اٹھ بھی گئے بزم سے کب کے مگر اب تک
اللہ ری حیرت جو جہان تھا وہ وہین ہے

جس کو بھی یہان دیکھا حیرت زدہ ہی دیکھا
یہ آپ کی محفل ہے یا آئینہ خانہ ہے

جلوۂ جمال کی باطنی تجلیان،

جھلکتی ہین ہر موئے تن سے شعاعین
یہ کس مہ کا جلوہ عیان ہو رہا ہے

اے جذب لا بٹھایا دل و دیدہ مین انھین
تو نے تو مرے دونون جہان جگمگا دیئے

یہ کون آکے بیٹھا سویدائے دل مین
سیاہی چمکنے لگی نور ہو کر

سینہ مین تجلی کا جو ہر دم ہے یہ عالم
کیا عرش معلی اتر آیا مرے دل مین

کسے دیکھ کر آج ہم آرہے ہین
کہ آنکھون سے انوار برسا رہے ہین

جذب وبیخودی

جدھر جذب ہم کو لئے جارہا ہے
کئے بند آنکھین چلے جا رہے ہین

گم گشتۂ حیرت کوئی مجھ سا بھی نہین ہو
مین خود ہون کہین دل ہی کہین تو ہی کہین ہے

اس کے نتائج

مرا دل ہے ہر وقت محو تماشا
فدا میری غفلت پہ ہشیاریان ہین

کسی اور عالم مین پہنچے ہوئے ہین
جہان خودی سے گذر جانے والے

قتیل راہ محبت یا واصلین بحق کے لئے حیات ابدی کی نوید

ترے کشتون نے حیات ابدی پائی ہے
اس کو کہتے ہین مسیحا نہ مسیحائی ہے

لاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

سالکین کی منزل بہت بلند اور قید مکان و لامکان سے آزاد ہے،

بنانہ دنیا مین تو نشیمن نہین ہے یہ باغ تیرا گلشن
کہ بلبل قدس تو ہو تیرا تو شاخ طوبی پر آشیان ہو

پر شکستہ نہ سمجھ بلبل قدسی ہون مین
پر جو کھل مرے بازو سے پرواز مین ہو

محدود فضائین ہین یہ مرغان ہوا کی
اڑتے ہین جہان ہوش وہ مین اور فضائین

یہ قید کون مکان تو شایان شان آزادگان نہین ہے

میرا جہان ہے وہ عالم جہان زمین آسمان نہین ہو

مین مجذوب نارسیدہ کی عرش و کرسی لامکان ہے
پہنچ کسی کو شکستہ پا کی بھی اللہ اللہ کہان کہان ہو

مجذوب اور سالک کا فرق،

اگرچہ مجذوب اور سالک ہین دونون ایک ہی اثنیٰ بڑا تفاوت ہی منزلون مین یقین یقین ہی گمان گمان ہی

ایک دوسرے شعر مین اس سے بلند تر تخیل کو اس سے زیادہ بلیغ پیرایہ مین بیان کیا ہے،

بجز و شوق یہان جلوہ گہ ناز مین ہی طور پہ بحث ابھی صورت و آواز مین ہی

اقبال نے بھی تقریباً اسی مفہوم کو اس شعر مین ادا کیا ہے،

بو علی اندر غبار ناقہ گم دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

حقیقت یہ ہے کہ عشق کی وارفتگی کا درجہ علم و عقل کے تدبر اور احتیاط سے بمراحل بلند ہے، بلکہ

بقولِ اقبال ع :-

عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بولہب

عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب اور علم مقام صفات عشق تماشائے ذات

اس تشریح کے بعد اب اس شعر کو پھر پڑھیے،

بجز و شوق یہان جلوہ گہ ناز مین ہے طور پہ بحث ابھی صورت آواز مین ہے

اس سے معراج نبوی بھی مراد لیجا سکتی ہے، مقام توحید،

جب مہر نمایان ہوا سب چھپ گئے تارے تو مجھ کو بھری بزم مین تنہا نظر آیا

قلب تو تبہ :-

تم سے ہو نہ سکا اسے جلوۂ جانانہ ہوتا ہے خبر لے کعبۂ دل پھر مراتب خانہ ہوتا ہی

بقا و فنا :-

یون ہی تم پہ مرتا رہون زندگی بھر

بقا بھی بنگ فنا چاہتا ہون

ادائے خاص

یون تو ہین سبھی آپکے اس حسن کے شیدا مرتا ہون مین جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے

تقدیر کے معنی

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا ہے بھلا بات جو کہدی وہ قسمت ہو گئی،

سوز محبت اور گداز عشق کی کیفیتین | دل کا سوز و جراحت عشق و محبت کی روح ہے، اس کے بغیر عشق مین جان نہین پیدا ہوتی ع :-

برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

اس سے مراد فریاد و فغان اور نالہ و شیون نہین ہے، بلکہ سوز و ساز، اور درد و لذت والم کی وہ لطیف کیفیت مقصود ہے جس سے روح لذت گیر ہوتی ہے عشق حقیقی مین یہ کیفیتین اور زیادہ تیز اور شدید ہوتی ہین، روایتون مین ہے کہ حضرت امیر خسرو کا دل سوز عشق سے اتنا بریان تھا، کہ حضرت نظام الدین اس پر فخر کرتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ جب خدا قیامت مین مجھ سے پوچھے گا، کہ میرے لئے کیا تحفہ لایا ہے، تو عرض کرون گا اس ترک بچہ کا سوز سینہ لایا ہون،

اس عالم مین دل پر سوز و ساز، درد و الم، کیف و سرور حسرت و یاس امیدی اور ناامیدی کی مختلف کیفیتین طاری ہوتی ہین، مجذوب کے کلام مین جا بجا یہ کوائف نظر آتے ہین،

درد و الم کی مختلف کیفیتین،

عالم عشق و محبت مین بہار آئی ہی آنسوؤن کی ہی جھڑی غم کی گھٹا چھائی ہی

اس دل زار سے مفر عشق مین جیتے جی نہین رونا ہے مجھ کو عمر بھر غم مرا عارضی نہین

غمزدگانِ عشق مین مجھ سا کوئی حزین نہین رونا تو رات دن ہون مین تو مری آستین نہین

ٹھہرے گا دل تھمین گے اشک آہ مگر ابھی نہین غم ہے یہ دل لگی نہین رونا ہے یہ ہنسی نہین

ہنسی بھی ہے میرے لب پہ ہر دم اور آنکھ میں بھی نمی نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

کسی حال میں چین پاتا نہیں دل
نہ مغموم ہو کر نہ مسرور ہو کر

لذتِ الم اور ایذا طلبی

جہاں سانس لینے میں ہو آہ پیدا
اب ایسی کوئی میں فضا چاہتا ہوں

مری چشم پر نم میرا قلب پُر غم
یہ مینائے الفت، وہ جامِ محبت

پھونک دی اک روح تو نے مجھ میں مری ہر آہ نے
دردِ دل نے مری رگ رگ کو رگِ جان کر دیا

روح مثلِ شعلہ جوالہ رقصاں ہے مری
کس مزے کی ہائے سوزش داغہائے دل میں ہے

یہ غم ہے گو غم نہانی مگر ہو لبریز شادمانی
سرور کی جیسے ہو نشانی وہ اک جو تلخی شراب میں ہے

حسرت و یاس،

یاس ہی اب دل کی فطرت ہو گئی
آرزو جو کی وہ حسرت ہو گئی

میں ہی محروم ہوں اک خلق تماشائی ہے
کیا غضب ہائے یہ اے ذوقِ جبیں سائی ہے

جی رہا ہوں موت کی اُمید میں
مر ہی جاؤں گا جو صحت ہو گئی

بے کسی اور بے بسی کی کیسی حسرتناک تصویر ہے،

زباں بے دل ہے اور دل بے زباں ہے ہائے مجبوریاں
بیاں میں کس طرح آئے کہ جو دل پر گذرتی ہے

ہائے مجھ سا بھی جہاں میں کوئی مجبور نہیں
خود کو مجبور سمجھنے کا بھی مقدور نہیں

سکونِ قلب یا غم کی انتہا،

وفورِ غم سے اب احساس باطل ہوتا جاتا ہے
سکونِ دل کا باعث خود غمِ دل ہوتا جاتا ہے

سکونِ دشمنِ تلاطم آشنا دل ہوتا جاتا ہے
وفورِ موج سے گرداب ساحل ہوتا جاتا ہے

چارہ گر کا اعجازِ مسیحائی،

میرے چارہ گر کو دیکھے تو کوئی حسنِ علاج
محو دل سے امتیازِ درد و درماں کر دیا

تیرے کشتوں نے حیاتِ ابدی پائی ہے
اس کو کہتے ہیں مسیحا یہ مسیحائی ہے

دنیائے عشق و محبت کے آئین و قوانین جدا ہیں، کہنے والوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے

ع عاشقاں را مذہب و ملت جداست

اس لئے عشاق کی عبادت بھی عوام سے مختلف ہے، اس میں ظاہری شرائط کی پابندی کے ساتھ عبادت کی اصل روح ضروری ہے، اس کے بغیر عبادت نہیں ہوتی، حدیثوں سے بھی ثابت ہے کہ اخلاص و حضورِ قلب کے بغیر عبادت ناقص ہوتی ہے،

پھر زاہدوں کی عبادت صرف نماز تک محدود ہے، لیکن اہلِ دل کی عبادت یعنی ذکر و فکر ہر وقت جاری رہتی ہے، جس کے لئے کسی سمت و آستانہ کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ صرف معبود و مسجود کا تصور کافی ہے، اسی کو حضرت مجذوب نے سجدۂ بے جبیں سے تعبیر کیا ہے،

تم کو نصیب زاہدو سجدۂ بے جبیں نہیں
پیشِ نظر ہے آستاں مدِ نظر مکیں نہیں

اس کی بنیاد اسی آیت پر ہے، یَذکُرُونَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰی جُنُوبِھِم وَیَتَفَکَّرُونَ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ، الخ

سجدہ درحقیقت وہی ہے کہ ایک مرتبہ سر جھک جانے کے بعد پھر نہ اٹھے،

جھک کے اٹھے نہ پھر کبھی لائقِ سجدہ ہو جبیں
میرا سرِ سجود ابھی درخورِ آستاں نہیں

اور حشر تک جبیں سائی قائم رہے،

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

اہلِ صفا کا وضو،

بجائے سجدہ بہایا کئے کھڑے آنسو   نماز سب نے پڑھی ہم رہے وضو کرتے

اذان اور نماز

تری گلی ہے مری فغان ہو مری جبین ترا آستان ہے   یہی ہے بس اب نماز میری یہی بس اب مری اذان

درپہ گدا نواز کے رکھے سر نیاز ہون   عشق مین زاہد و مین بس جانتا یہ نماز ہون

تسبیح | عاشق تو ہے اے زاہد ہر وقت عبادت مین   اشکون کا مسلسل ہے اک سبحۂ صد دانہ

اس عبادت کا درجہ

عرش برین ہے زاہد و سجدہ گہ نماز عشق   تم کو مین کیا دکھا سکوں مرتبۂ نیاز عشق

سجدہ :-

یہ داغ سجدہ داغ غلامی ہے آپ کا   پہچانے اب تو جاتے ہین بس اس نشان سے ہم

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود،

نغمہ وساز | بزرگان چشت کو سماع سے خاص مناسبت تھی، بلکہ بعضون پر اس کا غلبہ رہا ہے کہ ان کو
نے سے بھی نے نوازی کی آواز سنائی دیتی تھی،

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست   از کجا می آید این آواز دوست

حضرت خواجہ صاحب گو اس شراب سے محترز رہے لیکن وہ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے اس باطنی
اثر کو نہ مٹا سکے، بلکہ یہان تک کہا جا سکتا ہے کہ وہ خود سراپا ساز و نغمہ تھے،
جنھین ان کی زمزمہ سنجی سے سامعہ نوازی کا موقع ملا ہو وہ اس کی تصدیق کر سکتے ہین کہ خواجہ صاحب
ہمہ تن جوش و مستی تھے، اللہ تعالی نے ان کی آواز مین بھی لحن داؤدی کا اثر عطا فرمایا تھا جب
وہ جوش و مستی مین مترنم ہوتے تھے، تو ان کا ہر موے بدن ساز بنجاتا تھا،
خود فرماتے ہین :-

یون تو اس پیکر ہستی مین مری کچھ بھی نہین   کوئی مطرب ہو تو ہر نغمہ مرے ساز مین ہے

مرا ساز ہستی ہے لبریز نغمہ   کوئی مطرب خوشنوا چاہتا ہون

ان کا یہ نغمہ کسی اور ہی ساز کی آواز تھی،

یہ نغمۂ دلکش مرا بے ساز نہین ہے   وہ بول رہے ہین مری آواز نہین ہے

ان کے نغمون کی تاثیر کا یہ حال تھا،

جان رگ رگ سے کھنچی آتی ہے کانون کی طرف   کس قیامت کی کشش اُف تری آواز مین ہے

جی اُٹھے مردے تری آواز سے   پھر ذرا مطرب اسی انداز سے

نغمہ پیدا ہے کہ نوحہ ساز سے   ہوک سی اٹھتی ہے اس آواز سے

تن تن تنی کہ سینہ مین پیدا ہوئی جلن   یہ راگ ہے کہ آگ ہے چنگ رباب مین

اس پر بھی ان کا اصل نغمہ ناشنیدہ ہی رہا،

کوئی محرم نہین سب حال مرا راز مین ہے   ناشنیدہ ہے وہ نغمہ جو ابھی ساز مین ہے

یہ نغمہ وہی تھا جس کا اس شعر مین اشارہ ہے،

سر نہان است اندر زیر و بم   فاش اگر گویم جہان برہم زنم

تغزل | یہان تک خواجہ صاحب کے کلام کی معنوی اور باطنی حیثیت پر گفتگو تھی، جیسا کہ ہم نے اوپر
لکھا ہے، فن کی حیثیت سے بھی ان کا کلام استادانہ ہے، اس مین بڑی جامعیت اور ہر رنگ کے نمونے
موجود ہین، ان کو دکھائے بغیر یہ تبصرہ ناقص رہ جائے گا، اس لئے ان کے کلام کے بعض ظاہری
نمایان رخ پیش کئے جاتے ہین، خواجہ صاحب فطرۃً شاعر، لطیف الاحساس، خوش خیال، خوش نگاہ،
جمال پسند اور رنگین مزاج تھے، اس کا پرتو ان کی شاعری مین بھی نمایان ہے، اور اس مین دنیاوی
عشق ومحبت کے نہایت رنگین اور دلفریب مرقعے ہین، خود فرماتے ہین :-

حُسن کا خوشنما چمن عشق کا دلکشا چمن
سر سے ہے تا بہ پا چمن یہ مری شاعری نہین

اس مین لطیف، ہلکے اور شوخ اور گہرے ہر رنگ کے خوشنما پھول ہین،

کہین کہین بیان کی شوخی اور رنگینی اتنی تیز ہوگئی ہے، کہ اس کے سامنے داغ اور امیر کا رنگ پھیکا نظر آتا ہے، اور یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ایک ساز سے ایسے متضاد نغمے بھی نکل سکتے ہین مگر اس موج کوثر کی طہارت اور پاکیزگی کو مادی کثافت سے مکدر کرنا ذوق سلیم گوارا نہین کرتا، اس لئے صرف لطیف اور پاکیزہ تغزل کے نمونے پیش کئے جاینگے، ان مین سے اکثر اشعار مین نہایت نمایان اور کھلا ہوا تغزل ہے، اور بعض مین حقیقت اور مجاز کی سرحدین اتنی ملی ہوئی ہین، کہ دونون مین امتیاز کرنا مشکل ہے، اس کے لئے مین نے اپنے ذوق کو رہنما بنایا ہے،

محبت کا ایک رُخ اوپر پیش کیا جاچکا ہے، اب اس عالم آب وگل کی محبت کی کچھ کیفیتین ملاحظہ ہون

مرے سامنے لو نہ نام محبت   چھلک جائے گا ہے جام محبت
تری چشم ہے گون ہے جام محبت   تری زلف مشکین ہے دام محبت
پلادے پلادے پلادے پلادے   پلادے ان آنکھون سے جام محبت
محبت محبت محبت محبت   بڑا لطف دیتا ہے نام محبت
محبت کے بدلے محبت ستم ہے   نہ لے اُن سے انتقام محبت
ذرا روک اے قاصد نہ رک ہائے قاصد   کہے جا کہے جا پیام محبت

محبت کا کھیل،

یہ کھیل دل کے لینے کے جو کھیلتے ہین آپ   مجھ سے نہ کھیلئے کسی نادان سے کھیلئے
جو چاہئے کھیل کھیلئے دنیا ہے آپ کی   ہوتی مگر نہ خون دل وجان سے کھیلئے

اے جلوہ ہائے دوست بس اب یہ کیجئے کرم   آتا نہ میرے دیدۂ حیران سے کھیلئے

کمال حسن وبہار حسن،

حسن خود حسن ہوا تیرے حسین ہونے کر   روئے زیبا ترا خود زینت زیبائی ہو
تجھے زیب وزینت کی حاجت ہی کیا ہے   نظر مین سما کر سنور جانے والے
تن یاسمین پر لباس معصفی   وہ آئے ہین نور علیٰ نور ہوکر
وہ نظرون مین میری کھبے جارہے ہین   سراپا ادا چشم بد دور ہوکر
یہ ناز یہ انداز یہ شوخی یہ ادائین   اے زلف بدوش آتری لیلون مین بلائین
قبا رنگین بدن رنگین دہن رنگین نظر رنگین   تمہین دیکھا کہ اس جا مجمع رنگینیان دیکھین
نہا کر تو نہ جانے حسن کا عالم ہی کیا ہوگا   پسینہ پوچھنے سے جب تری رنگت نکھرتی ہے

مستانہ ادائی

صراحی در بغل ساغر بکف مستانہ وار آجا   لگائے آسرا بیٹھا ہے اک مستانہ برسون سے
آرہا ہے جھومتا وہ مست ناز   اب طبیعت کیا سنبھالی جائیگی

ان اشعار پر کسی فارسی استاد کے دو شعر یاد آگئے،

پریشان کاکل آغوش وا مستانہ می آئی   سرت گردم بایں شانیکہ از میخانہ می آئی
باصد کرشمہ آن بت بد مست میرود   خودی کند خرام وخود از دست میرود

ایک بہترین شعر

نہین درکار مے ہم کو پئے جاتو ہی او ساقی   ہمین تو مست کرتا ہے ترا سرشار ہو جانا

اس کیفیت کی تشریح نہین ہوسکتی،

مستی شباب:-

بوضعِ رندانہ گھومتے ہین قدم حسین بڑھکے چومتے ہین
بشانِ مستانہ جھومتے ہین وہ کیفِ مستی شباب مین ہے

جلوۂ حسن کے اثرات،

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمعِ محفل کی
پتنگون کی جگہ اڑنے لگین چنگاریان دل کی

اہلِ محفل فرشِ محفل ہوگئے
بزم مین آئے وہ اس انداز سے

اللہ اللہ ترے آتے ہی ہجوم اشکون کا
حسرتِ دید بھی مشکل سے نکل پائی ہے

احترام حسن

خود کو بھی ترے عشق مین ہم غیر ہی سمجھے
جی بھر کے نہ دیکھا کہ لگا دین گے نظر ہم

کس آنکھ سے دیکھین انھین ہمت نہین پڑتی
وہ مصحفِ رخ پاک ہے آلودہ نظر ہم

مجبوریِ نگاہ

کرون ناصح مین کیونکر ہاں یہ کہ عمداً نہ دیکھونگا
نظر پڑ جائے گی خود ہی جو دانستہ نہ دیکھونگا

نظرِ شوخ کی نیرنگی،

ان کی نظر شوخ ہے اک طرفہ تماشا
ہر شخص سمجھتا ہے ادھر دیکھ رہے ہین

یون نظر تو مجھ پر ڈالی جائے گی
جب مین دیکھون گا ہٹا لیجائیگی

ادا یہ دیکھ کے عاشق کو جیب جانیگی
حضور رکھتی ہے رسوائیان زمانے کی

دل کی چمن آرائی،

دل مین گل عشق نے داغون کے کھلائے تو بہت
ان کی گلگشت کے قابل یہ گلستان نہ ہوا

متفرق:-

غزل ہے مری اور وہ گا رہے ہین
غضب کر رہے ہین ستم ڈھا رہے ہین

گنگناؤگے جو اس انداز سے
خود تڑپ اٹھین گے نغمے ساز سے

اب صبح ہوئی اب وہ اٹھے اب وہ سدھارے
آثارِ سحر دیکھتے ہین قبل سحر ہم

نہ صبح آرہی ہے نہ وہ آرہے ہین
نہ موت آرہی ہے نہ خواب آرہا ہے

وہ میخانہ بر دوش چرخِ برین پر
بصد کیف مستی سحاب آرہا ہے

وہ بیٹھے رہتے ہین دیکھون تو بت بنے کب تک
جو بے قرار نہ کردون تو بے قرار نہین

سلاست وصفائی حضرت مجذوب زبان وادب کا بھی نہایت ستھرا مذاق رکھتے تھے، ان کا پورا کلام زبان کی صفائی، سادگی اور سلاست کا نمونہ ہے، اُن کے بہت کم اشعار اس وصف سے خالی نکلین گے خصوصاً چھوٹی بحرون کی غزلین جن کے بہت سے اشعار اوپر نقل ہو چکے ہین، سادگی اور سلاست کے لحاظ سے سہل ممتنع کے حکم مین ہین، طویل بحرون مین بھی بہت سے متفرق اشعار ایسے ڈھلے ہوئے اور برجستہ نکل گئے ہین، کہ ضرب المثل بننے کے لائق ہین،

چند مثالین ملاحظہ ہون،

وفا کرکے اس کا صلہ چاہتا ہون
بڑا نا سزا ہون سزا چاہتا ہون

محبت کا اپنی صلہ چاہتا ہون
سزا چاہتا ہون سزا چاہتا ہون

بھری بزم مین راز کی بات کہدی
بڑا بے ادب ہون سزا چاہتا ہون

ستائے بھی کوئی تو پائین دعائین
گدا ہون مین سب کا بھلا چاہتا ہون

مین اس بے وفا سے وفا چاہتا ہون
مجھے دیکھئے کس سے کیا چاہتا ہون

چلا تو ہون کس شوق سے عرض کرنے
خبر یہ نہین ان سے کیا چاہتا ہون

ارے رکھ ہنسی کو ہنسی ہی کی حد مین
ہلاکِ تبسم ہوا چاہتا ہون

مین کب تک پھرون دربدر مارا مارا
ترے در پہ اب بیٹھنا چاہتا ہون

ادھر اس طرف اک نظر بھی خدارا ۔۔۔ بہ پاس مروت بہ نام محبت

کہاں ان کی بزم طرب کے ہون قابل ۔۔۔ ہین شوریدہ سر تلخ کام محبت

زبان سے وہ کچھ ہی کہے جائین لیکن ۔۔۔ نگہ دے رہی ہے پیام محبت

ہٹا لے ادھر سے اپنی مستانہ نظرین ۔۔۔ چھلکنے کو ہے میرا جام محبت

نہ رُک ہائے قاصد نہ رک ہائے قاصد ۔۔۔ کہے جا کہے جا پیام محبت

چھپ سکین گے حضور پھر کیونکر ۔۔۔ جو تصور مین لا کے دیکھ لیا

آج مین نے وہ چاند سا مکھڑا ۔۔۔ بکھری زلفیں ہٹا کے دیکھ لیا

اب تو چین آگیا تجھے قاتل ۔۔۔ خاک و خون مین لٹا کے دیکھ لیا

مجذوب اپنی حد سے بڑھائین نہ جذب آہ ۔۔۔ حضرت بہت نہ جلوۂ جانان سے کھیلئے

لینے ہی دیتا اب نہین کم بخت دم مجھے ۔۔۔ کب تک اب آہ اس دلِ نادان سے کھیلئے

میرے دلِ تپان سے یہ اچھی نہین ہے چھیڑ ۔۔۔ ایسے نہ آپ شعلۂ بدامان سے کھیلئے

مجذوب کی تیغ زبان کی چمک سب سے زیادہ شیخ و ناصح اور زاہد کے مقابلہ مین نظر آتی ہے

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح ۔۔۔ نئی بات کیا آپ فرما رہے ہین

مین مجذوب ہون کچھ سمجھئے تو ناصح ۔۔۔ بھلا آپ کس کو یہ سمجھا رہے ہین

کچھ تو ہوا شیخ جی تلقین توبہ کا عوض ۔۔۔ اور کیا خدمت کرین حضرت یہ حاضر جام ہے

ابر مین تلقین توبہ شیخ جی ۔۔۔ وقعتِ فرمان عالی جائے گی

رہئے تو کبھی رندون مین اے شیخ زمانہ ۔۔۔ قائل ابھی حضرت کا یہ احقر تو نہین ہے

اتنے خفا جو آپ ہین سچ کہئے شیخ جی ۔۔۔ ایسے ہی کیا تھے آپ مقدس شباب مین

تشبیہات | حضرت مجذوب مین ادبی اختراع کا بھی مادہ تھا، اس لئے انھون نے بعض پرانی

کو حسن استعمال سے چمکایا ہے، اور بہت سی نئی تشبیہین پیدا کی ہین، اور ان کی شاعری کی طرح ان کی تشبیہات مین بھی بڑی بلندی ہے، بعض مثالین ملاحظہ ہون،

موے بدن کی تشبیہ شجرِ طور سے اور دل کی عرشِ برین سے

یہ کون تصور مین مرے آج حسین ہے ۔۔۔ ہر مو شجرِ طور ہے دل عرش برین ہے

دلِ سوزان کی تشبیہ شمع سے اور ارمانون کی پروانون سے،

بھاگتا ہے دلِ سوزان عبث ارمانون سے ۔۔۔ جس جگہ شمع گئی گھر گئی پروانون سے

سودائے سر کی تشبیہ تاج سے اور داغ دل کی نگین سے

سر مین مرے سودا ہے کہ ہے تاج مین گوہر ۔۔۔ دل مین ہے مرے داغ کہ خاتم مین نگین ہے

دل کے داغون کی چراغان سے،

اے سوز عشق تو نے مجھے داغ کیا دیئے ۔۔۔ جیسے چراغ دل مین ہزارون جلا دیئے

چمن آرائی سے

دل مین گل عشق نے داغون کے کھلائے تو بہت ۔۔۔ اُن کی گلگشت کے قابل یہ گلستان نہ ہوا

دل کی سمندر سے اور دیدۂ تر کی سحاب سے،

یہ دیکھ کر میرا دیدۂ تر سمجھ لو خود حالِ قلب مضطر ۔۔۔ کہ ہوگا کس جوش مین سمندر جو یہ تلاطم سحاب مین ہے

جبین کی موجِ مے سے اور چشم خشمگین کی شراب آتشین کے جام سے،

مجھے اک موجِ مے ہے یہ تری چین جبین ساقی ۔۔۔ شراب آتشین کا جام چشم خشمگین ساقی

ایک نادر مرکب تشبیہ:-

ترسان سوار کشتیِ طوفان رسیدہ ہین ۔۔۔ ارمان لرز رہے ہین دل بے قرار مین

ڈھلکے ہوئے آنسو کی قطرۂ خارج از مے سے،

وہ کیا آنسو ڈھلک جائے جو اے دل دیدۂ تر سے   وہ قطرہ خارج از مے ہے چھلک جائے جو ساغر سے

ابرِ سیاہ کی زلف سے اور برقِ تابان کی ساغر سے

یہ فصلِ گل ہاین ابرِ سیاہ و برقِ تابان ہے   کہ در کفِ ساغر و بر دوش زلفِ عنبرین ساقی

خلعتِ نو،

جنت کو جب چلے ہیں اتار لباسِ تن   شاخون کو ملتے ہین نئے خلعتِ بہارین

چشمۂ فیض:-

اشک باری سی اشک باری ہے   چشمۂ فیض ان کا جاری ہے

محاکات | محاکات یعنی کسی ظاہری و باطنی کیفیت یا منظر کی ایسی مصوری جس سے اس کی پوری تصویر نگاہ کے سامنے آجائے، بڑی مشکل چیز ہے، خواجہ صاحب کا کلام اس سے بھی خالی نہین ہے، اور جا بجا اس کے نہایت مکمل نمونے موجود ہین،

اُن کے یہ دو شعر

چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو   جوان آج پیرِ مغان ہو رہا ہے

دمکتا ہے چہرہ چمکتی ہین آنکھین   بڑھاپے مین بھی جان جان ہو رہا ہے

جو انھون نے اپنے مرشد کی شان مین کہے تھے، اوپر نقل کئے جا چکے ہین، ان شعرون مین کیف باطنی سے مرشد کی سرشاری اور اس کے فروغِ جمال کی کتنی مکمل تصویر ہے،

مشاہدۂ جمال سے خود رفتگی کی کیفیت،

یہ کون آ رہا ہے یہ کون آ رہا ہے   سنبھالو ارے مین گرا جا رہا ہون

سنبھالو، سنبھالو، سنبھالو سنبھالو   گرا جا رہا ہون گرا جا رہا ہون

حیرت کا مرقع

مین ہر سمت پھرتا ہون کھویا ہوا سا   نہ جانے کسے ڈھونڈنا چاہتا ہون

کھڑا ہون مین چپ اس طرح اُن کے آگے   کہ جیسے ابھی کچھ کہا چاہتا ہون

طریقِ عشق مین احتیاط

طریقِ عشق مین ہم یون سنبھل سنبھل کے چلے   کہ جیسے ہاتھ مین لبریز جام ہوتا ہے

اس تشبیہ سے رفتار کی احتیاط کی کتنی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے،

غلبۂ تصور کی کیفیت

کھولے ہوئے آغوش بڑھا اس سے مین ملنے   اتنا تھا تصور کہ مین سمجھا نظر آیا

خواجہ صاحب کا کلام رنگا رنگ پھولون کا ایسا صد بہار اور دلکش چمن ہے کہ اس کی پوری بہار ایک گلدستہ مین نہین دکھائی جا سکتی

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار   گلچینِ جمالِ تو ز داماں گلہ دارد

اس کی تفصیل کے لئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اس لئے ان کی ایک طویل غزل کے منتخب اشعار پر جو ان کے اصلی رنگ کا مکمل نمونہ ہین، یہ ریویو ختم کیا جاتا ہے،

انشاء اللہ آیندہ کسی فرصت مین دوسرے پہلوؤن کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کیجائیگی،

چند منتخب اشعار | یہ غزل حضرت مجذوب نے غالبًا اپنے مرشد کے وصال کے بعد کہی تھی، گو راقم کو اس کا علم نہین لیکن اشعار کا سوز و تپش شاہد ہے کہ یہ تاثرات کسی گہری چوٹ کا نتیجہ ہین،

حال مین اپنے مست ہون غیر کا ہوش ہی نہین   رہتا ہون مین جہان مین یون جیسے یہان کوئی نہین

کوئی مزا مزا نہین کوئی ہنسی ہنسی نہین   تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہین

اس دلِ زار سے مفر عشق مین جیتے جی نہین   رونا ہے مجھ کو عمر بھر غم مرا عارضی نہین

ٹھہرے گا دل تھمین گے اشک آہ مگر ابھی نہین   غم ہے یہ دل لگی نہین رونا ہے یہ ہنسی نہین

پیر مغان کا دم کہان اس کی وُہ بزم جم کہان
بادہ نہین تو ہم کہان زیست یہ زیست ہی نہین

جائین بچشم نم کہان روئین اب اپنا غم کہان
پہلے سے اب کرم کہان ایسا تو اب کوئی نہین

تو جو رہا نہ ساقیا پینے کا کیا مزہ رہا
پینا نہ غم زُبا رہا پی بھی تو مین نے پی نہین

دل مین اگر حضور ہو سر ترا خم ضرور ہو
جس کا نہ کچھ ظہور ہو عشق وہ عشق ہی نہین

عشق کا حق ادا کیا حسن کے حق بھی کر ادا
عشق کا کچھ ہو مرتبہ حسن یہ برتری نہین

پینے مین آگیا کہان لپٹی ہین اُڑ کے مستیان
اتنی ہو تند مے یہان مست ہون اور پی نہین

پہلے تھا گریۂ و بکا اب ہے تحیر و خفا
رنگ وہی ہے بزم کا ہان وہ ہما ہمی نہین

ہجر کی شب عجب ہے شب حال یہ کیا ہوا عجب
تارے ہین روشنی نہین چاند ہے چاندنی نہین

شیشہ ہے جام ہے نہ خم اصل تو رندقین ہین گم
لاکھ سجا رہے ہو تم بزم ابھی سجی نہین

دیکھے جو خود کو عرش پر اس سے بھی قطع نظر کر
دل مین نہ ہو جو ان کا گھر یہ کوئی چیز ہی نہین

کتنا ہی تو بڑا سہی یہ بھی ہے زاہدا آگہی
سمجھے جو خود کو منتہی وہ ابھی مبتدی نہین

حسن کی بارگاہ ہے سہل کوئی نباہ ہے
آہ بھی اک گناہ ہے عشق ہے دل لگی نہین

جب تری رونمائی تھی دولتِ درد پائی تھی
دل نے ازل مین کھائی ہے چوٹ یہ آج کی نہین

بیٹھا ہون مین جھکائے سر نیچی کئے ہوئے نظر
بزم مین سب ہی مگر وہ جو نہین کوئی نہین

مال و زر و دل و جگر کر دی سبھی کو وقفِ در
بندگی اور بقید سر ننگ ہے بندگی نہین

اُن کی محبت آہ مین شوق بھری نگاہ مین
یعنی ابھی ہے راہ مین دل مین ابھی بسی نہین

پاتا ہون ان کو تنگ نہ کر جان سے بھی قریب تر
فرق ضرور ہے مگر حد کوئی قرب کی نہین

اے مرے باغِ آرزو کیسا ہے باغ اے تو
کلیان تو گو ہین چار سو کوئی کلی کھلی نہین

دل مین لگا کے اُن کی لو کر دو جہان مین نشر ضو
شمعین تو جل رہی ہین سو بزم مین روشنی نہین

اسلامی نظریہ اجتماع

از

جناب مولوی حکیم حیدر زمان صاحب صدیقی، پٹھان کوٹ

تصور اجتماع اور حیاتِ ملی

حیاتِ انسانی کے شعبۂ عمل کا ہر زاویہ انسان کی فکری اور ذہنی صلاحیتون کا مظہر ہے، بلکہ جولانِ طبع اور رفتارِ فکر کے ساتھ ساتھ زندگی کے عملی زاویے بھی متغیر ہوتے چلے جاتے ہین، اور نقشۂ حیات کے خالی اور بے رنگ خانے بھی وارداتِ قلب کی رنگینیون سے چمک اٹھتے ہین، اور اس طرح فرد اور جماعت کے مستقبل کی تعمیر ہوتی ہے،

یہ مسئلہ علم النفس (سائکالوجی) کے مسلمات سے ہے، کہ انسان کے قلب و جبد مین ایک نہایت گہرا اور پائدار تعلق ہے، اور بیشتر جسمانی اعمال و وظائف نفسیات ذہنی کے مظاہر ہین، اور انسان کا ہر شعوری اور ارادی فعل اس کے نقوشِ قلب کے اجمال کا شارح ہے، بلکہ یہی وہ چھوٹا سا ٹکڑا ہے، جو حرکاتِ جسم کے لئے نقطۂ مرکزی کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسی سے پورے جسم کا صلاح و فساد وابستہ ہے،

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت
صلح الجسد کله واذا فسدت
فسد الجسد کله الا وهی القلب
(بخاری)

ہان! جسم انسانی مین گوشت کا ایک ٹکڑا
ہے، کہ اس کے صلاح سے سارا جسم صالح
اور اس کے فساد سے سارا جسم فاسد ہو جاتا
ہے، وہ کیا ہے؟ دل!

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

وہ چاہت اور محبت جس سے کون و مکان کی ہر چیز زندگی کی پرکیف مسرتوں سے سرشار نظر آتی ہے، اسی نہاں خانۂ دل میں قرار پکڑتی ہے، اور یہی وہ مرکزِ انوار ہے جس کی ضیا ریزیوں سے کائنات کا ذرہ ذرہ تابانی حاصل کر رہا ہے، اور حیاتِ انسانی کی بلند پروازیاں اسی طائر لاہوتی کے بال و پر کی رہین منت ہیں

تپش می کند زندہ تر زندگی را

تپش می دہد بال و پر زندگی را (اقبال)

یہ کون نہیں جانتا کہ انسان کے ظاہر اور باطن میں ایک قسم کا برقی تعلق ہے، اور قلب کی برقی رَو جسم کے ہر حصہ پر حاوی ہے، یہی وجہ ہے کہ خوشی کے وقت انسان کا چہرہ بشاشت و مسرت سے چمک اٹھتا ہے، اور اندوہ و غم سے ظاہر جسم پر غیر معمولی تکان اور بے چینی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں، حالانکہ خوشی اور غم قلبی کیفیات ہیں،

ہم جانتے ہیں کہ بھوک کا علاج غذا سے اور پیاس کا پانی سے ہوتا ہے، یہاں تک تو علم و یقین کا درجہ ہے، اب بھوک لگنے پر غذا اور پیاس کے وقت پانی کا استعمال فعلیت کا درجہ ہے، گویا مرتبۂ فعلیت علم و یقین کی شعاعوں کا عکسِ اولین ہے،

علم و یقین اور عمل میں وہی تعلق ہے، جو اشعۂ شمس اور نور و ضیا میں ہے، جہاں سورج کی کی شعاعوں کی رسائی ممکن ہے، وہاں حسب استعداد و صلاحیت روشنی کا پایا جانا لازمی ہے، اشعۂ منعکسہ کی قوت اور عکس پذیر اشیاء کی صلاحیت کے تناسب پر روشنی کی قوت و ضعف کا انحصار ہے، جب یہ شعاعیں کسی لطیف، شفاف، اور چمکدار چیز پر پڑتی ہیں، تو وہاں حیرت انگیز چمک اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی پیدا ہوتی ہے، اور اگر عکس پذیر اشیاء کے سامنے پردہ حائل ہو یا وہ خود کثیف اور سیاہ رنگ ہوں، تو وہاں بھی یہ شعاعیں اپنا اثر تو دکھاتی ہیں، مگر وہ روشنی (لائٹ) نہیں پیدا ہوتی، بالکل اسی طرح قلب کی برقی لہر کی قوت اور جسم کی صلاحیت و استعداد کے توافق اور توازن ہی سے

حیاتِ شخصی اور حیاتِ اجتماعی کے آثار و نتائج وابستہ ہیں،

کذالک تنشأ اللینۃ ھو عرقھا

وحسن نبات الارض من کرم البذر

اس فعل و انفعال کا محل اوّل اگرچہ فرد ہے، مگر چونکہ حیاتِ ملی فرد کی حیاتِ شخصیہ سے الگ نہیں، بلکہ قوم اور جماعت کی اجتماعی زندگی کا اصل ماخذ حیاتِ فرد ہی ہے، اس لئے جماعت کا وجود شخص کے وجود ہی کی ایک دوسری شکل ہے، اور جماعت کی ذہنی اور عملی استعداد درحقیقت افراد ہی کی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے،

یا یوں کہنا چاہیے کہ شخص اپنی انفرادی حیثیت میں اگرچہ ایک حقیقت ثابتہ ہے، مگر جب تک اس کے کمالاتِ شخصی جماعت سے انضمام پذیر نہ ہوں وہ خود بھی اپنے کمالات سے متمتع نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی اس کے ذاتی جوہر کی کوئی قدر و قیمت ہو سکتی ہے، اس لئے فرد بہرحال اپنے کمالاتِ شخصی کی افادیت و اظہار میں جماعت کا محتاج ہے، اور جماعت جس طرح اپنے وجود میں وجود فرد کی محتاج ہے، اسی طرح اس کے مقدر کی تابانی فرد کی شعاع ریزیوں کی رہین منت ہے،

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر   ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

مگر دیکھنا یہ ہے کہ قلب کی یہ پر اسرار قوت کس طرح درجۂ کمال کو پہنچتی ہے، اور کس طرح فرد کی تکمیل ذات کا ذریعہ بنتی ہے؟ درحقیقت اس روحانی قوت کی اصلاح و تربیت صرف ایک چیز سے ہوتی ہے، جسے قرآن حکیم اپنے حکیمانہ انداز میں تقویٰ کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اسی تقویٰ کو سعادت ابدی کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے، اور یہی حیاتِ ملی کی واحد اساس ہے،

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و   جو شخص تقوی سے متصف ہوگا خداوند تعالیٰ

ویرزقہ من حیث لا یحتسب — اس کے لئے زندگی کی شاہراہین کھولدیگا

(آیہ) — اور نا معلوم ذرائع سے اس کی ضرورتون

تقوی در اصل ایک قرآنی اصطلاح ہے، اور اس کا اطلاق قلب کی اس کیفیت پر ہوتا ہے، جو انسان کو نوامیس فطرت کے احترام اقدار شریعت کے اتباع اور حدود و احکام کی خلاف ورزی سے اجتناب پر آمادہ کرتی ہے، اس کی موجودگی مین انسان کا کوئی قدم بے سوچے سمجھے نہین اٹھ سکتا، بلکہ قدم اٹھانے سے پہلے اسے اپنے ضمیر، الٰہی دستورِ اخلاق اور نوامیس شریعت سے اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم اپنے ماننے والون سے مطالبہ کرتا ہے، کہ ان کے ظاہر و باطن پر تقوی کا رنگ نمایان ہونا چاہئے، یہان تک کہ انسان کے لئے حقیقی لباس اسی تقوی کو قرار دیا ہے؛

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم — اے آدم کے بیٹو! ہم نے تمھارے لئے

لباسا یواری سواتکم وریشا — لباس اتارا، جو تمھاری شرمگاہون کو

ولباس التقوی، ذالک خیر — چھپاتا ہے، اور تمھارے لئے زینت بھی ہے،

(انعام) — لیکن یاد رکھو تقوی کا لباس بہترین لباس ہے،

اور عشق و محبت کی دور دراز منزلون کو طے کرنے کے لئے زاد سفر بھی یہی تقوی ہے،

تزودوا فان خیر الزاد التقوی — زاد راہ تیار کرو اور بہترین زاد راہ

(بقرہ) — تقوی ہے،

نیز مقام رفعت تک اگر انسان کی رسائی ہو سکتی ہے، تو صرف تقوی سے دوسری کوئی چیز نہین، جو اسے کامیابی کی منزل تک پہنچا سکے،

لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا — قربانی کے گوشت اور خون کو بارگاہ خداوندی

ولکن ینالہ التقوی منکم (حج) — مین رسائی نہین ہو سکتی، وہان تک تو صرف تقوی

وادی عشق اگر دور و دراز است ولے — طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

اور یہی وہ قوتِ قاہرہ ہے جو فولادی قلعون کو پاش پاش کر دیتی ہے، اور تنہا غلبہ و تسلط کی ضامن ہے، مراحلِ عشق کو طے کرنے اور زمین و آسمان کی وسعتون پر چھا جانے کے لئے یہی پر اسرار قوت کام آتی ہے؛

یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ — اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈروگے تو

یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم — خدائے قدوس تمھارے اندر بے پناہ معجزانہ

سیاتکم — قوت (قوت فارقہ بین الحق والباطل) پیدا

(انفال) — کرے گا، اور تمھاری لغزشون کو معاف کریگا،

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب — تنہا جہان بگیر و بے منتِ سپاہی

اسی تقوی سے سیرت مین پختگی اور اعمال مین نظم پیدا ہوتا ہے،

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا — اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچی بات

قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم — کہو، خدا تمھارے اعمال مین درستگی پیدا

(احزاب) — کر دے گا،

غرض تقوی اپنے وسیع معنی کے اعتبار سے تمام انسانی افکار و اعمال پر حاوی ہے، اور زندگی کا کوئی زاویہ اس کے اثر و نفوذ سے خالی نہین، یہان تک کہ اطاعت و ایثار جو حیاتِ اجتماعی کے لوازم ہین، اسی تقوی سے حاصل ہوتے ہین،

واتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم — اللہ سے ڈرو، اپنے معاملات کی اصلاح

واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین — کرو، اور خدا و رسول کی اطاعت کرو،

اس مین کوئی شک نہین کہ جب تک ظاہر و باطن کی اصلاح نہ ہو جائے، جو تقوی کا اصل منشا ہے، حقیقی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو ہی نہین سکتا، یہی وجہ ہے کہ آیت مین تقوی کے بعد اصلاح اور اصلاح

کے بعد اطاعت کا ذکر ہوا ہے،

ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ انسانی تصورات قوم وملت کے تعمیری ارکان میں خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں، بالخصوص وہ اجتماعی نظریے جو فرد کے دائرہ وجود سے آگے نکل کر جماعات پر اثر انداز ہوتے ہیں، اپنی عمومی حیثیت سے صرف جماعتی فکر اور جماعتی کردار میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں، اور تصورِ اجتماع بھی انہی عمومی تصورات سے ہے، جو جماعتی سیرت اور جماعتی نظم کی تعمیر میں سب سے زیادہ موثر ہیں، اپنی قوم وملت کے صلاح وفساد میں سب سے زیادہ اسی کو دخل ہے، اور اسی سے مدنیت صالحہ یا مدنیت فاسدہ کی تخلیق ہوتی ہے، اگر داعیہ اجتماع کو فطرت سے کامل مناسبت ہوگی، تو اس سے ایک صالح مدنیت اور صالح طرزِ اجتماع عالمِ وجود میں آئے گا، اور پھر اس حضارت اور مدنیت (سولیزیشن اینڈ کلچر) سے ایک صالح اور مہذب سوسائٹی کی تکوین ہوگی جو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے ایک مثالی (آئیڈیل) حیثیت کی مالک ہوگی، اور اس کا وجود ساری دنیا کے نظم پر اثر انداز ہوگا، بلکہ کائنات عالم کے حقیر سے حقیر ذرے بھی اس کی ضیاباریوں سے چمک اٹھیں گے.

اور منافی فطرت نظریہ اجتماع سے جس ہیئت اجتماعی کی تشکیل ہوگی، وہ نوعِ انسانی کو قعرِ مذلت کی طرف لے جائے گی، یہاں تک کہ ساری دنیا اس کے ناپاک وجود سے ہلاکت وبربادی کے جہنم میں جا پڑے گی، کسی نظریہ اجتماع کے صلاح وفساد کا یہی ایک معیار ہے جس سے اس کے حسن وقبح کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، مگر اقوامِ حاضرہ ان حقائق سے دانستہ یا نادانستہ بے اعتنائی کر رہی ہیں جس کے تلخ نتائج سے آج ان کو دوچار ہونا پڑ رہا ہے،

انسان کو جس قدر اپنی عقل و دانش اور فہم وادراک پر فخر ہے، اس کے بجائے اگر اس کی نظر اپنی کم مائگی اور عجز و بے بسی پر ہوتی، تو عالمِ انسانی اس عالمگیر اضطراب اور جبر و تشدد کی دستبرد سے محفوظ ہوتا، عدل وانصاف اور امن ومساوات کی اس طرح ہرگز رسوائی نہ ہوتی، جیسے کہ آج ہو رہی ہے،

مگر خود بینی وخود فریبی، نیز فطرت سے بے اعتنائی اور ظالمانہ طرز اجتماع نے آج اسے یاس وحرمان اور حسرت وناکامی کے ایسے بحرِ ناپیدا کنار میں ڈھکیل دیا ہے، جہاں سے اس کی نجات امر موہوم ہوکر رہ گئی ہے،

مگر تعجب ہے کہ حضرتِ انسان کچھ اس طرح زمان ومکان کے طلسم میں کھو گیا ہے، کہ ان وحشتناک خونیں منظر کو دیکھتے ہوئے بھی اپنے طرزِ عمل پر غور نہیں کرتا، اور فضائے عالم میں پھیلی ہوئی تاریکیوں "ظلمات بعضها فوق بعض" میں بھی حق وصداقت کی شعاعِ تاباں "نور مبین" کی طرف نہیں آنا چاہتا، کیا اس سے بڑھ کر بھی انسان کی سیاہ بختی اور شومی قسمت کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ کہ ہلاکت وبربادی کے تیرہ وتار بادل سر پر منڈلا رہے ہیں مگر اس کی غلط روی میں سرمو فرق نہیں آتا، عذابِ الٰہی کی بجلیاں لگاتار کوند رہی ہیں، مگر یہ خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتا،

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ، (حم سجدہ)

آفاقِ عالم اور عالمِ انفس میں ہم ان منکرانِ حق کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان کو کتاب اللہ کی صداقت

دوسری جنگِ عظیم کے نتائج نے آج کائناتِ انسانی کو جن مصائب سے دوچار کر دیا ہے وہ کم ہونے کے بجائے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اور ابھی ایک تیسری جنگ کے لئے مادہ پک رہا ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ آئندہ جنگ کے نتائج کیا ہوں گے؟ اور دنیا کی بڑی سلطنتوں (گریٹ امپائرز) کا آئندہ نقشہ کیا ہوگا؟

انقلابے کہ نہ گنجد بہ ضمیر افلاک
بینم و ہیچ ندانم کہ چساں می بینم (اقبال)

موجودہ تصادم اقوام کس نتیجے پر منتج ہوگا، اور دنیا کی آئندہ حالت کیا ہوگی؟ اس کے متعلق ابھی سے کچھ کہنا مشکل ہے، ہاں کتاب وسنت کی روشنی میں بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے، کہ موجودہ عالمگیر اضطراب وبے چینی اسی مدنیت فاسدہ اور ظالمانہ طرز اجتماع کا قدرتی معاکسہ عمل (ری ایکشن) ہے،

ظھر الفساد فی البرّ والبحر بما کسبت	بحر و بر کا ہمہ گیر فساد انسانون کی لگاتار
ایدی النّاس لیذ یقھم بعض الذی	بدعنوانیون اور بداعمالیون کا نتیجہ ہے تاکہ
عملوا لعلھم یرجعون،	خدا ان کو ان کی بدکرداریون کا مزہ چکھائے
(آیہ)	شاید وہ اس طرح حق کی طرف رجوع کرین،

آج اس عذابِ الٰہی کے مناظر ہمارے سامنے ہین، جس کے امثال ونظائر کتب سماویہ مین اقوام سابقہ کے تذکرون مین ملتے ہین، آپ کو دور جانے کی ضرورت نہین، قرآن کریم کے ایک ایک لفظ سے اس حقیقتِ باہرہ کا پتہ چلتا ہے، کہ خداے قدوس کی مخفی اور پر اسرار قوتین ہر وقت اپنے کام مین مصروف اور مناسب وقت کی منتظر رہتی ہین،

ولا تحسبنّ اللہ غافلاً عمّا یعمل	تم اللہ کو ان ظالمون کی بدکرداریون سے
الظّالمون، (آیہ)	غافل تصور نہ کرو،

قرآن کریم دنیا کے انسانون کو متنبہ کر رہا ہے، کہ سننِ الٰہیہ اور مکافاتِ عمل کے قدرتی نتائج پر غور کرو اور اقوام سابقہ کی تاریخ (ہسٹری آف نیشنز) کو امعان نظر سے دیکھو، اور سوچو کہ ہم نے ان ظالم اقوام سے کیا سلوک کیا ؟

وسکنتم فی مساکن الذین ظلموا	تم بھی ان ظالم انسانون کی بستیون
انفسھم وتبیّن لکم کیف فعلنا	مین رہ رہے ہو، اور تمھین معلوم ہو چکا ہے
بھم وضربنا لکم الامثال،	کہ ہم نے ان سے کیا سلوک کیا، اور عبرت
(ابراھیم)	وموعظت کی مثالین تمھارے لئے بیان کر دی ہین

قدرت کا قانون کیا ہے ؟ جب انسانی آبادی ظلم وعدوان، جبر و قہر، زرپرستی، خود غرضی، اور غصبِ حقوقِ انسانی سے مضطرب ہو جاتی ہے، تو خدا کی انتقامی قوتین حرکت مین آجاتی ہین، پھر کیا

ہوتا ہے، ؟ آبادیون پر قہر الٰہی نازل ہوتا ہے، اور تمام بستیان ویرانون اور کھنڈرون کی شکل مین تبدیل ہو جاتی ہین، یہ عذاب الٰہی کبھی آسمان کی بلندی سے اترتا ہے، کبھی زمین کے نیچے سے ابل پڑتا ہے، اور کبھی اقوامِ عالم مین حسد ورقابت کی چنگاریان سلگنے لگتی ہین، اور ان کو خطرناک طبقاتی جنگ (سیکشنل وار) مین مبتلا کر دیا جاتا ہے، جس کی شعلہ باریون سے انسانون کے ردی اور فاسد عناصر کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور بقاء اصلح کے قدرتی تصور کے مطابق وہ صالح عناصر باقی رہ جاتے ہین، جو صحیح طور پر خدا کی زمین مین امن ومساوات اور عدل وانصاف کی ضائع شدہ متاع سے دنیا کو روشناس کرتے ہین، اور اِنّ الارض للہ یرثھا عبادی الصّالحون کا نعرہ بلند کرتے ہوئے بحر و بر پر چھا جاتے ہین،

قل ھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم	خداے قدوس اس پر قادر ہے کہ بلندی
عذاباً من فوقکم او من تحت	سے عذاب اتارے یا زمین کے
ارجلکم او یلبسکم شیعاً ویذیق	نیچے سے یا تم کو کئی حلقون مین تقسیم
بعضکم باس بعض (انعام - ۸)	کرکے آپس مین ٹکرا دے،

اقوام سابقہ کی بہت سی مثالین قرآن حکیم نے وضاحت سے بیان کر دی ہین، جو ارتکاب منکرات کی وجہ سے قدرت کے بطش شدید مین آئین، ان کے پر رونق شہر سر بفلک عمارتین اور اموال واملاک کو ایک ہی لحہ مین پیوند خاک کر دیا گیا، اور بستیان اس طرح ویران ہوئین کہ اس کے بعد پھر کبھی آباد نہ ہو سکین،

لم تسکن من بعدھم الا قلیلاً (قصص - ۲)

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات ابھری ہوئی نظر آتی ہے، کہ ان قومون کی تباہی کی وجہ سے نوامیسِ فطرت کی توہین اور ان کے طرز اجتماع کا فساد واختلال تھا، ان کے فکر وعمل اور طریق تمدن مین رخنہ پیدا ہو گیا تھا، اور ضابطہ اخلاق کی کڑیان ڈھیلی پڑ گئی تھین،

وکم اھلکنا من قریۃ بطرت	بہت سی ایسی بستیان جنھون نے فطری

معیشتہا فتلک مساکنہم لم تسکن
من بعدھم الا قلیلاً ۰
(قصص)

طرزِ معیشت کے حدود توڑ دیئے تھے ہم نے
اُن کو ہلاک کیا، اب یہ اُن کے مکانات ہین
جو غیر آباد اور سنسان پڑے ہین، اور اُن کے
بعد بہت ہی کم آباد ہوئے،

اذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا
مترفیھا ففسقوا فیھا،
(آیہ)

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہین
تو اس مین بہت سے امرا پیدا کر دیتے
ہیں، یا ان کی دولت بڑھا دیتے ہین جس کا
لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ وہ فسق و فجور مین
مبتلا ہو جاتے ہیں

یہان امرنا کے معنی اکثرنا کے لئے گئے ہین، چنانچہ صحیح بخاری مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے
اُس آیت کی جو تفسیر نقل کی گئی ہے، اس مین انھون نے امر کے معنی کثرت کے بیان فرمائے ہین، ان کے
الفاظ یہ ہین:-

کنا نقول للحی اذا کثروا فی الجاھلیۃ
امر بنو فلان،
(بخاری کتاب التفسیر)

زمانۂ جاہلیت مین جب کسی قبیلہ کے افراد
بڑھ جاتے تھے، تو ہم کہتے تھے، کہ فلان
قبیلہ کے لوگ بڑھ گئے،

قرآن کریم مین ہر قوم کی دو حالتین دکھائی گئی ہین، ایک حالت یہ ہے کہ وہ قوانین طبعی (لاز
آف نیچر) کے تحت زندگی بسر کر رہی ہے، اخلاق و سیرت، حضارت و تمدن اور معاشی اعتبار سے بہت
اونچی سطح پر کھڑی ہے، امن و خوش حالی اور یسر و فراغ کے تمام وسائل اسے میسر ہین، اور آزادی و
حریت کی نعمت سے مالا مال ہے،

اور دوسری حالت یہ ہے کہ دولت و ثروت کی فراوانی اور سامانِ معیشت کی کثرت نے اُسے

اندھا کر دیا ہے، اور اب وہ نشۂ دولت مین مخمور اور نوامیس مذہب سے بے نیاز ہو چکی ہے، اخلاقی قیود
وا قدار اور طبعی قوانین سے آزاد اور خلافِ فطرت شہوات کی غلام بن چکی ہے بس اجتماع و سوسائٹی کی
یہی وہ ناقابلِ اصلاح حالت ہے، جس سے قدرت کا ضابطۂ انتقام حرکت مین آجاتا ہے،

وکذالک اخذ ربک اذا اخذ
القری وھی ظالمۃ ان اخذہٗ
الیم شدید، (ہود - ۹)

خدائے بزرگ و برتر کی پکڑ ایسی ہی ہے
جب کہ وہ ظالم اقوام کو پکڑتا ہے بیشک
اس کی پکڑ بہت سخت اور دردناک ہے

مثال کے طور پر قوم سبا کا جہان ذکر آتا ہے تو پہلے اس کی حالتِ فراغ کا نقشہ ان الفاظ مین
کھینچا گیا ہے،

لقد کان لسبا فی مسکنھم
آیۃ جنتان عن یمین و
شمالٍ کلوا من رزق ربکم واشکروا
لہ بلدۃ طیبۃ ورب غفور
(سبا)

قوم سبا کے لئے ان کے اپنے وطن مین
قدرت کی نشانی موجود تھی، یعنی (تین سو
مربع میل تک) دائین بائین باغ ہی باغ
تھے، اور اُن سے کہدیا گیا تھا کہ خوب کھاؤ
اور خدا کا شکر کرو، رہنے کو پاکیزہ شہر اور
رب معاف کرنے والا ہے،

مگر اس کے بعد ان کی دوسری حالت کا جس رنگ مین تذکرہ کیا گیا ہے، وہ بھی ملاحظہ کرین،

وظلموا انفسھم فجعلناھم
احادیث ومزقناھم کل ممزق
(سبا)

انھون نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اور ہم نے
اُن کو (حقیقت سے) افسانہ بنا کر رکھدیا، اور
اُن کے ٹکڑے اُڑا دیئے،

ومزقت سبا فی کل ناحیۃ فما التقی راکب بینھم بمنکر (ابن عبدون)

یعنی ملک کے ہر حصہ مین سیاہ کے پرزے اڑا دیئے گئے، اور کسی صحیح کرنے والے کو ان کی ہوا بھی نہ لگ سکی،

اقوام حاضرہ کا طرز اجتماع اور طریق سیاست بھی اسی مرحلہ پر پہنچ چکا ہے، اور یہ صرف ہمین ہی نہین کہتا، بلکہ خود اہل مغرب کے اہل دماغ اور سنجیدہ طبقے، اس امر کا اعتراف کرتے ہین، کہ آج یورپ کی سیاست و مدنیت ایک خطرناک حالت کو پہنچ چکی ہے، اور اس کی سب سے بڑی وجہ اقوام مغرب کی مادہ پرستی جذبۂ زر پرستی، اور مذہب و روحانیت سے قطع تعلق ہے، جس نے ان اقوام کو اخلاقی قیود و اقدار اور نوامیس فطرت کی پابندی سے بے نیاز کر دیا ہے، اور عالمگیر اخوت انسانی کئی گروہون مین تقسیم ہو کر رہ گئی ہے، اور اسی چیز نے اُن کو دائمی اضطراب و بے چینی اور شورش و بد امنی کے بے کنار سمندر مین دھکیل دیا ہے، یہان تک کہ آج وہ خود ہی اس جدید مہلک تمدن کے ہاتھون سخت مصائب کا نشانہ بن چکے ہین، اور آنے والے خطرات اُن کی آنکھون کے سامنے منڈلا رہے ہین، اس ہلاکت خیز تمدن کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے ہر چند ان کے اہل فکر حضرات کوشش کر رہے ہین، مگر اب جب کہ اس مدنیت فاسدہ کی لہرون نے یورپ کو اپنی لپیٹ مین لے لیا ہے، کوئی کوشش کامیابی کی منزل کو نہین پہونچ سکتی، چنانچہ مشہور فرانسیسی مصنف فیرنس جیافرت (Fierens Geavert) اپنی کتاب الغمۃ الحاضرۃ (La tristesse contemporaine) مین رقمطراز ہے، جو لوگ فقر و فاقہ اور رنج و مصیبت مین مبتلا ہین، اُن کے دلون مین بغض و عناد اور عداوت و دشمنی کی چنگاریان پہلے سے زیادہ مشتعل ہو رہی ہین، اور اسی اندازہ کے ساتھ سرمایہ پرست طبقون مین کبر و نخوت کا جنون بڑھتا جا رہا ہے، اور یہ ترقی پذیر اتحاد ہماری جماعات کے جذبات حریت و مساوات کو ایک دائمی اور شدید انتقامی جذبہ مین تبدیل کر دیا گیا، ہم یہ سمجھتے ہین کہ نوع انسانی کے مصائب کا ان مادی خزائن سے مداوا کر سکین گے، جو ایک زمانہ سے ہمارے آگے پڑے ہین، جتنے علماے مہندسین صناع میکانکیین (میکینکس) حیات دنیوی کے عروج کے لئے جان توڑ کوشش مین مصروف ہین، مگر ان اکتشافات

سے صرف ایک ہی نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ عوامی طبقے بھی اس متعدی مرض کا شکار ہو رہے ہین،

(مجلۃ الازہر ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

غرض اس طرح کے بہت سے اقوال پیش کئے جا سکتے ہین، مگر ہم نہین چاہتے، کہ اصل مقصد سے ہٹ کر دور از کار باتون مین الجھ جائین،

یہان تک تو صرف کتاب اللہ سے استشہاد کیا گیا ہے، اور آیات بینات سے ثابت کیا گیا ہے، کہ منافی فطرت تصور اجتماع سے جو مدنیت فاسدہ اور ظالمانہ طرز اجتماع عالم وجود مین آتا ہے، وہ کائنات انسانی کو سخت خطرات و مہالک مین مبتلا کر دیتا ہے، اب ہم احادیث و آثار سے بھی اس سلسلہ مین چند شہادتین پیش کرتے ہین،

عَنْ عبادۃ بْنِ الصَّامتؓ قَالَ کَانَ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یقول ان اللہ اذا اراد بقوم بقاءً او نماءً رزقھم السّماحۃ والعفاف واذا اراد بقوم اقتطاعًا فتح علیھم باب خیانۃ ثم قرء حتّی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم بغتۃً فاذا ھم مبلسون ۝ (اخرجہ ابن عساکر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ کو جب کسی قوم کا بقا یا اس کا نشو و نما منظور ہوتا ہے، تو اس مین فیاضی اور عفت و پاکدامنی کی طرح کی صفات پیدا کر دیتا ہے، اور جب کسی قوم کو ختم کرنا مقصود ہوتا ہے، تو اس پر خیانت، بد دیانتی اور اس قسم کے صفات ذمیمہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی،

حتّی اذا فرحوا بما اوتوا (الآیہ)

عن علی قال ان اللہ فرض علی الاغنیا فی اموالھم ما یکفی فقرائھم و

اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگون پر ان کے اموال مین اتنی مقدار فرض کی ہے، جو غربا

ان جاعوا و عروا وجهدوا فبمنع الاغنياء وحق على الله ان يحاسبهم يوم القيامة ويعذبهم،
(اخرجه البيهقي وسعيد ابن منصور في سننه)

کے لئے کافی ہو سکے، اس کے باوجود اگر وہ بھوکے اور ننگے ہون، تو یہ صرف دولتمندون کے بخل کی وجہ ہی سے ہوگا، اور اللہ نے اپنے پر یہ لازم قرار دیا ہے، کہ ان امراء سے قیامت کو محاسبہ لے، اور ان کو عذاب دے،

جس طرح قومون کے طرز اجتماع کا فساد و اختلال اُن کی تباہی کا باعث ہوتا ہے، اسی طرح صالح طرز اجتماع نظام عالم کے بقا، اور قوم و ملت کی فلاح و نجات کو مستلزم ہے،

حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کے اس مشہور واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے،

یہود خیبر نے حضرت عبد اللہ ابن رواحہؓ کو بیش بہا زیور اور کافی مال رشوت کے طور پر دینا چاہا اور آپ سے درخواست کی کہ مالیہ کی رقم میں کچھ تخفیف کر دی جائے، اس موقع پر عبد اللہ بن رواحہؓ نے جن خیالات کا اظہار فرمایا، اور پھر یہود کی زبان سے بے ساختہ جو الفاظ نکلے وہ بعینہٖ ذیل میں درج کئے جاتے ہین:-

فقال عبد الله ابن رواحه يا معشر اليهود انكم لمن ابغض خلق الله الي وما ذالك بحاملي على ان احيف عليكم فاما ما عرضتم من الرشوة فانما هي سحت وانا لا ناكلها فقالوا بهذا قامت السموات والارض، (موطا امام مالک)

اے یہود کے گروہ! تم خدا کی مخلوق میں میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت ہو، مگر یہ نفرت مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ مین تم پر ظلم کرون اور تم نے میرے آگے جو رشوت پیش کی ہے وہ حرام قطعی ہے، ہم اس کو ہرگز نہیں کھاؤن گا، یہ سن کر یہود پکار اٹھے کہ اسی عدل اور دیانت و امانت سے زمین و آسمان قائم ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اُس زمانہ مین ہوا جب کہ اقوام عالم مین حسد و رقابت کی چنگاریان پوری قوت سے مشتعل ہو رہی تھین، اور وہ ایک خطرناک طبقاتی جنگ مین مبتلا تھین، طبقۂ امراء کا جذبۂ زرپرستی حد انتہا تک پہنچا ہوا تھا، اور پس ماندہ طبقے ان ظالم اور سفاک انسانون کے پنجہ ہائے استبداد مین جکڑے ہوے تھے، مگر سردار دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی مقدس کوششون نے اس جاہلی نظام اجتماع کے پرزے اڑا دیئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء کے پندار و غرور کو مٹانے اور غریب طبقون کو ابھارنے کے لئے جو کامیاب جد و جہد فرمائی، اس کے نتائج روز روشن کی طرح واضح ہین، ایک موقع پر آپ نے غرباء کی عظمتِ شان کا ان الفاظ مین اظہار فرمایا،

هل تنصرون وترزقون الا بضعفاءكم، (بخاری)

اے طبقۂ امراء غریبون کی بدولت ہی تمھین ہر قسم کی مدد اور روزی ملتی ہے،

مجھے آیندہ مباحث مین یہ بتانا ہے کہ یہ تمام مفاسد و معائب جو موجودہ اجتماع انسانی مین پائے جاتے ہین، اُن کا اصل سرچشمہ کیا ہے؟ مگر اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ مسلمانون کی روش فکر اور ان کے طرز اجتماع مین تبدیلی پیدا کرنے والے کیا اسباب ہین، اور کس طرح مسلمانان عالم بالعموم اور مسلمانانِ ہند بالخصوص اسلامی طریق فکر و عمل کو ترک کر کے غیر اسلامی سیاست و اجتماع کے دام ہمرنگ زمین مین الجھ کر رہ گئے ہین، یا یہ کہ جاہلی افکار و نظریات کس کس راستہ سے اسلامی نظریۂ اجتماع مین نفوذ کر کے اس کے فساد و اختلال کا موجب بنے ہین،

(باقی)